10-2224

حکایاتِ کشف المحجوب

ڈاکٹر ظہور الحسن شارب

حکایاتِ کشف المحجوب

ڈاکٹر ظہور الحسن شارب
ایم۔اے، ایل۔ایل۔بی، پی۔ایچ۔ڈی

زاویہ پبلشرز
6۔ مرکز الاویس (سستا ہوٹل) دربار مارکیٹ۔ لاہور
فون : 042-7248657 موبائل : 0300-9467047
Email : zaviapublishers@yahoo.com

زاویہ پبلشرز

جملہ حقوق محفوظ ہیں

2005

باراوّل ________ ۱۰۰۰

ہدیہ ________ 100 روپے

○

زیرِ اہتمام

نجابت علی تارڑ

لیگل ایڈوائزر

رائے صلاح الدین کھرل ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-7842176

ملنے کے پتے

☆ دارالاخلاص ۳،۴ صدف پلازہ محلہ جنگی قصہ خوانی بازار. پشاور شہر 091-2567539

☆ مکتبہ قادریہ نزد چوک میلاد مصطفی سرکلر روڈ گوجرانوالہ 0431-237699

☆ احمد بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی 051-5558320

☆ مکتبہ المجاہد دار العلوم مُحمدّیہ غوثیہ. بھیرہ شریف 04521-911763

☆ مکتبۂ فیضان مشتاق نزد بسم اللہ مسجد کھارادر. کراچی فون: 0333-3121792

☆ منہاج القرآن اسلامک سیل سنٹر ضیاء مارکیٹ. سرگودھا 0451-721630

☆ مکتبہ قاسمیہ برکاتیہ دار العلوم احسن البرکات حیدر آباد 0221-780547

☆ عطّار اسلامی کتب خانہ بازار کلاں نزد دو دروازہ سیالکوٹ

☆ مکتبہ ضیاء العلوم دوکان نمبر 1345 مین صدر بازار راولپنڈی 051-5585695

فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
1	بصیرت وحکمت کا انمول خزانہ	8
2	سوانح حیات	10
3	حکایاتِ کشف المحجوب	12
4	علم اور عمل کی حقیقت	14
5	راہ حق میں درویشی کا مرتبہ	17
6	صوفی کون ہے؟	21
7	گدڑی اولیاء اللہ کی زینت ہے	25
8	گدڑی صوفی کیلئے لباسِ وفا ہے	27
9	سیاہ پوشی	29
10	حضرت مرتعش کی حکایت	30
11	کوئی حرص دوسری حرص سے بہتر نہیں	31
12	دوستانِ خدا کی غذا ملامت ہے	32

13	حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت	35
14	حضرت داتا گنج بخش کی حکایت	36
15	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	37
16	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	37
17	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ	38
18	قرۃ العین زہرہ ابومحمد الحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	39
19	حضرت امام حسین علیہ السلام	40
20	حضرت امام زین العابدین علیہ السلام	41
21	سیّدنا امام ابوجعفر محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	45
22	حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ	47
23	حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ	48
24	حضرت ہرم بن حیان رضی اللہ عنہ	50
25	صبر کی قسمیں	51
26	حلال وحرام	52
27	سیّدنا حبیب العجمی رحمۃ اللہ علیہ	52
28	سیّدنا مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ	54

29	حضرت حبیب بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ	54
30	ابو حازم المدنی رحمۃ اللہ علیہ	56
31	سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ	56
32	ابتدائی توبہ	60
33	حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ	61
34	خدا دوست	65
35	حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ	67
36	رازِ بخشش	68
37	صاحبِ کعبہ کا دیدار	69
38	تسلیم و رضا	70
39	شہر کا آقا	70
40	عارف باللہ	71
41	اوتاد، اولیاء اور ابرار	71
42	امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ	72
43	راہِ حق کے راہبر	73
44	مردانِ خدا	82

45	حال وقال	91
46	بارگاہِ الٰہی کا قرب	92
47	رضائے الٰہی	93
48	صاحبِ حال	93
49	جواں مرد کون ہے؟	94
50	حالتِ مدہوشی	95
51	ایثار وقربانی	97
52	ذکرِ الٰہی	104
53	توکّل	105
54	نفسِ انسانی	106
55	اثباتِ روایت	108
56	توکّل	131
57	باطنی اور ظاہری پاکیزگی	132
58	توبہ	134
59	نماز	135
60	محبت	139

61	زکوٰۃ	139
62	جودوسخا	140
63	روزہ	144
64	حج	147
65	مشاہدہ	150
66	صحبت وادب	151
67	بھوک	157
68	چلنے کے آداب	158
69	سونے کے آداب	158
70	آدابِ گفتگو	159
71	آدابِ سوال	160
72	نکاح کرنے اور مجرد رہنے کے آداب	160
73	حال اور وقت	164
74	قہر ولطف	165
75	سماع	167
76	خوش الحانی	170

بصیرت وحکمت کاانمول خزانہ

''کشف المحجوب'' حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق تصنیف ہے جس میں تصوف کے اسرار ورموز سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کام حکایات کے ذریعے لیا ہے۔یونس ادیب صاحب یہی حکایات آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔آغازِ کتاب میں حضرت داتا گنج بخش کی سوانح حیات پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے۔

داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے کشف المحجوب میں تمام تر حکایات کودرج کرتے وقت کسی کتاب کا سہارانہیں لیا۔انہوں نے صرف اورصرف اپنی یادداشت کے جوہر آزمائے ہیں۔ان کے انداز میں شعوری پن کی بجائے الہام کا پرتو واضح طور پرعیاں نظرآتا ہے۔یوں بھی ان کی روحانی عظمت سے کسے انکار ہوسکتا ہے۔

حکایات کوتین درجوں میں منقسم کیا گیا ہے۔پہلا درجہ قرآنی حکایات کا ہے۔ دوسراان حکایات کا جوتعلیماتِ نبوی اوراسوۂ حسنہ پرمبنی ہیں۔تیسرادرجہ آئمہ طریقت، تابعین،متاخرین اورخودحضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے ذاتی تجربات پرمشتمل ہے۔

کشف المحجوب کے موضوعات اگرچہ عوام کے لیےنہیں،ایسےلوگوں کے لیے مختص ہیں،جوالوہیت میں گم ہیں،تاہم عام لوگوں کے لیے حکایات میں اخلاقیات،

دینی اقدار، سماجی اور معاشرتی اصولوں کا ایک انمول اور نادر خزانہ مضمر ہے۔ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حکایات کے ذریعے اس خزانے کو عام لوگوں کے قابل بنا ڈالا ہے۔

یونس ادیب نے ہر موضوع کے تحت حکایات کتاب میں شامل کرنے کی حتی الامکان سعی کی ہے جس میں وہ پوری طرح کامیاب نظر آتے ہیں اور اس طرح یہ کتاب روشن سلسلے کی ایک اہم کتاب بن گئی ہے۔ ہمیں امید واثق ہے کہ آپ اسے دل و جان سے پڑھیں گے اور فیض یاب ہوں گے۔

☆......☆......☆

سوانح حیات

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی ابوالحسن بن علی بن عثمان بن علی الغزنوی ہے آپ ۴۰۰ ہجری میں غزنی میں پیدا ہوئے۔ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا گھرانہ علم و فضل کے اعتبار سے غزنی کے ممتاز گھرانوں میں شمار ہوتا تھا۔ آپ کا خاندان غزنی کی نواحی بستیوں ہجویر اور جلاب میں قیام پذیر تھا۔ لہٰذا اس مناسبت سے آپ کے اسم گرامی کے ساتھ ہجویری اور جلابی بھی لکھا جاتا ہے۔ آپ کی تربیت آپ کی والدہ اور ماموں تاج الاولیاء کی زیر نگرانی ہوئی جو اپنے عہد کے روحانی پیشوا تھے۔ آپ کے والد، والدہ اور ماموں کے مزارات غزنی میں آج بھی سرچشمۂ فیضان ہیں۔

آپ کو بچپن ہی سے علمی ذوق اور شوقِ عبادت تھا۔ آپ دنیا پرستوں اور دنیا سے دور رہے۔ شب بیداری، ذکر و فکر اور وظائف میں مشغول و مصروف رہے۔ آپ نے حصول علم و عرفان کے لئے کئی طویل سفر اختیار کیے۔ شام، عراق، بغداد، مدائن، ایران، قہستان، آذربائیجان، طبرستان، خوزستان، کرمان، خراسان، ماوراالنہر سے ترکستان اور برصغیر کا سفر اختیار کیا۔ ان مقامات کے علماء فضلا اور مشائخ کرام کے درِ فیض سے اکتساب نور کیا اور اس عہد کے جلیل القدر صوفیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ سلسلہ جنیدیہ میں حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ ان کے علاوہ جن دوسرے بزرگوں سے آپ نے فیض حاصل کیا ان میں ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ اور ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آپ اپنے مرشد کے وصال کے بعد عین علم شباب میں لاہور تشریف لائے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے دو دوست شیخ احمد سرخسی اور ابو سعید ہجویری تھے اور آپ کی آمد کے فوراً بعد لاہور، جنوبی ایشیا میں تبلیغ اسلام کا مرکز بن گیا۔ آپ کی تصنیف کشف المحجوب کے مطالعہ سے آپ کی حسب ذیل تصانیف کا پتا چلتا ہے:

(۱) دیوان (۲) مہناج الدین (۳) کتاب الفنا والبقا (۴) اسرار الخرق والمؤ دنات (۵) کتاب البیان (۶) نحو القلوب (۷) الرعایتہ بحقوق اللہ (۸) شرح کلام منصور علاج (۹) بیان ایمان، یہ کتابیں ناپید ہو چکی ہیں۔ آپ کی تصنیف کشف المحجوب تصوف اسلام کی قدیم ترین فارسی کتابوں میں سے ہے۔ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کا ارشاد ہے۔ ''جس کا کوئی مرشد نہ ہو اس کے لیے کشف المحجوب مرشد ہے۔'' کشف المحجوب کے اردو میں بیس سے زائد تراجم ہو چکے ہیں۔ انگریزی میں اس کا ترجمہ پروفیسر نکلسن نے کیا۔ عربی میں بھی اس کا ترجمہ چھپ چکا ہے۔ سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مزار اقدس پر چلہ کش ہوئے تو حضرت داتا علی ہجویری کے بے پایاں روحانی فیض سے مالا مال ہوئے اور یہ شعر ارشاد فرمایا:

گنج بخش فیض عالم مظہر نورِ خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

گزشتہ نو سو سال سے صوفیہ کرام، علماء، فضلاء اور تاجدار آپ کے مزار پر حاضری دے رہے ہیں۔ آپ کا وصال بھی لاہور میں ہوا۔ آپ کا مزار پُر انوار بھاٹی دروازہ کے باہر مغرب میں واقع ہے۔ جہاں صبح و شام زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔ عام تذکرہ نگاروں نے آپ کی تاریخ وفات ۴۶۵ھ تحریر کی ہے مگر جدید تحقیق کے مطابق آپ کی وفات ۴۶۵ھ سے ۴۶۹ھ کے کسی سال میں واقع ہوئی۔

حکایات

کشف المحجوب

علم اور عمل کی حقیقت

کشف المحجوب کا پہلا باب اثباتِ علم کے بارے میں ہے اور حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ علم کی فضیلت کو کلامِ پاک اور حضور سید عالم ﷺ کی حدیث مقدسہ کے حوالے سے ثابت کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ علم بے حد و بے حساب ہے اور زندگی انتہائی مختصر ہے۔ اس لئے تمام علوم کو سیکھنا لوگوں پر فرض نہیں کیا گیا۔ مگر ان میں سے اس قدر سیکھنا ضروری ہے جتنا شریعت سے متعلق ہے۔ لہٰذا علم اسی قدر فرض ہے جس پر عمل ہو سکے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے علم کی مذمت فرمائی ہے جو نفع رساں نہ ہو اور نبی کریم ﷺ نے ایسے بے نفع علم سے پناہ مانگی ہے اور فرمایا ہے۔ ''اے خدا! میں ایسے علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع رساں نہ ہو۔''

اس سلسلے میں حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تھوڑے سے علم کے لئے بھی زیادہ عمل کی ضرورت ہے کیونکہ حضور سرور کونین ﷺ کا ارشاد ہے کہ بے علم عبادت گزار اس گدھے کی مانند ہے جو آٹے کی ایک چکی سے بندھا ہے۔ ہر چند کہ وہ گدھا چلتا، بھاگتا اور دوڑتا ہے لیکن وہ ایک ہی جگہ پر چکر لگاتا ہے کوئی فاصلہ طے نہیں کرتا۔ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ میں نے عام لوگوں کے ایک گروہ کو دیکھا ہے جو علم کو عمل پر فضیلت دیتے ہیں اور ایک دوسرا گروہ بھی ہے جو عمل کو علم پر افضل جانتا ہے مگر ان دونوں گروہوں کے نظریات غلط ہیں کیونکہ علم کے بغیر عمل کی کوئی حقیقت نہیں اور عمل اسی وقت عمل کہلاتا ہے جب وہ علم کے ساتھ مربوط ہوتا کہ انسان اللہ کا حکم جان کر عمل کرے اور ثواب کا مستحق بنے جس طرح کہ نماز ہے اس

سلسلے میں جب تک انسان کو طہارت کے ارکان کا علم نہ ہو نماز ادا نہیں ہو سکتی۔ مثال کے طور پر پانی کی شناخت کا علم، معرفتِ قبلہ کا علم، کیفیت نیت کا علم اور ارکانِ نماز کا علم، لہٰذا جب تک ان امور کا علم نہ ہو نماز کیسے ادا ہو سکتی ہے۔ اسی طرح اس گروہ کا نظریہ بھی غلط ہے جو علم کو عمل پر فضیلت دیتا ہے کیونکہ جس علم پر عمل ہی نہ کیا جائے وہ علم ہی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے نام نہاد عالم بے عمل کو علماء کے گروہ میں شمار کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس لئے کہ سیکھنا، حفظ کرنا اور یادداشت کو محفوظ کرنا بھی علم ہی کے زمرے میں آتا ہے اور عمل ہی کے ذریعے انسان ثواب کا حق دار بنتا ہے اور اگر عالم کے علم کا تعلق اس کے عمل سے نہ ہو تو وہ قطعاً ثواب کا مستحق نہیں، چنانچہ علم کو عمل سے جُدا اور عمل کو علم سے جُدا کرنے والوں کے بارے میں حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''ایک گروہ تو علم کے حوالے سے لوگوں میں عزت و مرتبہ اور جاہ و حشم حاصل کرنے کا متمنی ہوتا ہے حالانکہ علم سے اس کا کوئی سروکار نہیں ہوتا اور یہ گروہ علم حقیقی سے بے بہرہ ہے جو عمل کو علم سے جُدا کرتا ہے وہ نہ تو علم کی ہی قدر و قیمت جانتا ہے اور نہ ہی عمل کی اہمیت سے آگاہ ہے۔ یہاں تک کہ بعض جاہل یہ بھی کہتے ہیں کہ علم کی نہیں عمل کی ضرورت نہیں ہے اور کوئی نادان یہ کہہ دیتا ہے کہ عمل کی نہیں علم کی ضرورت ہے حالانکہ یہ دونوں غلطی پر ہیں''۔

علم اور عمل کے باہمی رشتے کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں دو حکایتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے کہ ایک مرتبہ سفر کے دوران انھوں نے ایک پتھر پڑا ہوا دیکھا جو زبانِ حال سے کہہ رہا تھا کہ مجھے پلٹ کر پڑھو۔

حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے پتھر اٹھایا اور اُسے اُلٹا کر کے دیکھا تو اس

پر لکھا تھا، **انت لا تعمل بما تعلم فکیف تطلب مالا تعلم** (جب تم اپنے علم پر عمل نہیں کرتے تو اس کو تلاش کیوں کرتے ہو جس کا تمھیں علم نہیں)۔

اسی باب میں حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علم کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھا ہے علم دو طرح کے ہیں۔ ایک علم اللہ تعالیٰ کا ہے اور دوسرا علم مخلوق کا ہے۔ انسان کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں کوئی اہمیت و حقیقت نہیں رکھتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کی صفت ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے اور اس کی صفات لامحدود ہیں اور انسان کا علم ہماری صفت ہے جو ہمارے ساتھ قائم ہے اور ہماری صفات محدود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''تمھیں جو علم کا حصہ دیا گیا ہے وہ تھوڑا ہے۔''

حضرت داتا صاحب بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر موجود و معدوم کو جانتا ہے اور طالب کو چاہیے کہ اس مشاہدہ میں عمل کرے یعنی وہ یہ عقیدہ رکھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے اعمال وافعال کو دیکھ رہا ہے۔ اس حقیقت کو داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ مندرجہ ذیل حکایت کی مدد سے سمجھاتے ہیں کہ:

''بصرہ میں ایک رئیس رہتا تھا۔ ایک دن وہ اپنے باغ میں گیا تو باغبان کی بیوی کے حسن و جمال کو دیکھ کر حواس کھو بیٹھا۔ اس نے باغبان کو کسی کے بہانے باہر بھیج دیا اور اس کی بیوی سے کہا کہ دروازے بند کردو۔ عورت نے کہا کہ دروازوں کو تو میں بند کردوں گی لیکن ایک دروازہ میں بند نہیں کرسکتی۔ رئیس نے پوچھا وہ کون سا دروازہ ہے؟ عورت نے جواب دیا۔ وہ دروازہ ہمارے اور خدا کے درمیان کا ہے۔

رئیس شرمندہ سا ہو کر رہ گیا اور توبہ واستغفار کرنے لگا۔

علم کے سلسلے میں ایک اور حکایت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہے اور وہ یہ ہے۔ حضرت حاتم الاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے چار علم

اختیار کر لیے ہیں اور تمام عالم کے علوم سے بے نیاز ہو گیا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا، وہ کون سے چار علم ہیں؟

حضرت حاتم الاصم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، ایک یہ کہ میں نے جان لیا ہے کہ میرا رزق مقرر ہو چکا ہے جس میں نہ زیادتی ہو سکتی ہے اور نہ کمی، اب میں اس زیادتی کی خواہش سے بے نیاز ہوں اور دوسرا یہ کہ میں جان لیا ہے کہ خدا کا مجھ پر حق ہے جسے میرے سوا کوئی دوسرا ادا نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اس کی ادائیگی میں مشغول ہوں۔ تیسرا یہ کہ میرا کوئی چاہنے والا ہے یعنی موت میری خواستگار ہے۔ جس سے میں راہ فرار اختیار نہیں کر سکتا۔ سو میں نے پہچان لیا ہے اور میں اس سے شرم کرتا ہوں اور نافرمانیوں سے باز رہتا ہوں انسان جب باخبر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے تو وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس کی وجہ سے اُسے قیامت کے دن شرمسار ہونا پڑے۔ اس باب کے آخر میں علم اور عمل کی حقیقت ثابت کرتے ہوئے حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول لکھا ہے۔ حضرت بایزید فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال تک مجاہدہ کیا لیکن مجھے علم اور اس کی پیروی سے زیادہ کوئی چیز مشکل نظر نہیں آئی۔

راہ حق میں درویشی کا مرتبہ:

داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فقیر و درویشی کے بارے میں باب کا آغاز اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے کیا ہے" (پ ۳ ع ۵) ان فقیروں کے لیے جو راہ خدا میں روکے گئے، چل نہیں سکتے، نادان انہیں تو انگر سمجھتے ہیں نادانی کے سبب۔" اور اس کے بعد حضور پاک ﷺ کی یہ حدیث بیان کی ہے، میرے محبوبوں کو میرے قریب کرو، فرشتے عرض کریں گے۔ اے خدا! تیرے محبوب کون ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا وہ

مسکین فُقرا ہیں۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس ضمن میں فقیر کی پہچان یہ بتاتے ہیں کہ فقیر وہ ہے کہ اس کے پاس کچھ نہ ہو اور کوئی چیز خلل انداز نہ ہو۔ نہ وہ دنیاوی اسباب کے ہونے سے غنی ہو اور نہ اس سے محرومی پر محتاج ہو۔ اسباب کا ہونا یا نہ ہونا فقیر کے نزدیک ایک جیسا ہے، اگر وہ اس کے نہ ہونے سے زیادہ مطمئن ہو تو جائز ہے کیوں کہ مرشدوں نے فرمایا ہے کہ درویش جس قدر تنگ دست ہوگا اس کا حال اتنا ہی کشادہ ہوگا۔ کیونکہ ظاہری وجود بھی فقرا کے لیے برا معلوم ہوتا ہے لیکن وہ کسی چیز کے لیے دروازہ بند بھی نہیں کرتا۔ اگر بند کرے تو اتنا ہی اس کا دورازہ بند ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوبوں کی زندگی پوشیدہ انعامات واکرام میں ہوتی ہے۔ اس کی وضاحت حضرت داتا صاحب نے اس حکایت میں فرمائی ہے۔

ایک درویش کی کسی بادشاہ سے ملاقات ہوئی، بادشاہ نے کہا، مجھ سے اپنی کسی ضرورت کے لیے کچھ مانگو۔

میں اپنے غلاموں کے غلام سے کچھ نہیں مانگتا۔ درویش نے جواب دیا۔

بادشاہ نے پوچھا میں تمھارے غلاموں کا غلام کس طرح ہوں؟

"درویش نے کہا میرے دو غلام ہیں۔ ایک حرص اور دوسرے اُمید و تمنّا اور یہ دونوں تیرے آقا ہیں۔"

لہٰذا فقیر کی عزت اس میں ہے کہ وہ اپنے اعضاء کو ذلیل حرکتوں سے بچائے اور اپنے حال کو انتشار سے محفوظ رکھے، نہ اس کا جسم گناہ اور لغزش سے آلودہ ہو اور نہ اپنی جان کسی خلل اور آفت کے سپرد کرے، نہ لوگوں کا کوئی اس سے تعلق ہو اور نہ آدمیت کی اس سے نسبت ہو۔ اس جہان کی ملکیت اور آخرت میں درجات کی خواہش سے دل کو خالی رکھے اور یہ جانے کہ دونوں جہاں اس کے فقر کے ترازو کے پلڑے میں

مچھر کے برابر بھی وزن نہیں رکھتے۔فقیر جب اس حالت میں ہوگا تو اس کا ایک سانس بھی دونوں جہان میں سما نہیں سکتا۔

اس مسئلہ پر کہ غنا کو فقر پر فضیلت حاصل ہے یا فقر کو غنا پر فضیلت حاصل ہے حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ مشائخ کرام کے اقوال بیان کرتے ہوئے ایک اور حکایت بیان فرماتے ہیں کہ:

''میں نے حکایتوں میں پایا ہے کہ ایک روز حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابن عطار رحمہ اللہ علیہ کے درمیان اس مسئلہ پر بحث ہوئی۔ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دلیل دی کہ غنی اس لیے افضل ہیں کہ قیامت کے دن نعمتوں پر حساب لیا جائے گا اور حساب دینے کے لیے بغیر کسی واسطہ کے اللہ تعالیٰ کا کلام سننا ہوگا۔ یہ محلِ عتاب ہے اور عتاب دوست کا دوست کے ساتھ ہوتا ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر غنی سے حساب ہوگا تو درویشوں سے عذر خواہی ہوگی۔لہٰذا حساب سے عذر افضل ہے''۔

اس حکایت کا داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محبت کے مسئلہ میں عذر بیگانگی ہے اور عتاب یگانگی کے مخالف ہے۔ جبکہ دوستانِ خدا اس مقام پر ہوتے ہیں جہاں یہ دونوں چیزیں ان کے احوال میں آفت ظاہر کرتی ہیں کیونکہ عذر خواہی تو ایسے قصور پر ہوگی جو دوست کے بارے میں اس کے فرمان کے خلاف عمل سے سرزد ہوا ہوگا۔لہٰذا جب دوست اپنے حق کو اس سے طلب کرتا ہے تو یہ اس سے عذر خواہی ہوگی اور عتاب دوست کے فرمان کی تکمیل میں کوتاہی کے سبب ہوتا ہے ایسی صورت میں دوست اس کے قصور کے سبب اس پر عتاب کرتا ہے۔ خدا کے دوستوں کے لیے یہ دونوں باتیں مشکل ہیں۔ یہ لوگ تو ہر حال میں یعنی فقر اور صبر و غنا کی حالت میں شکر بجا لاتے ہیں اور دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ دوست سے کسی چیز کا

مطالبہ نہ کرے اور نہ دوست کے فرمان کو ضائع کرے۔

''اس نے ظلم کیا جس نے آدمی کا نام امیر رکھا حالانکہ اس کے رَب نے اس کا نام فقیر رکھا۔'' اس لیے کہ اس کا نام حق تعالیٰ کی طرف سے فقیر ہے اگرچہ ظاہر میں وہ امیر ہے مگر حقیقت میں وہ فقیر ہے۔ وہ شخص ہلاک ہو گیا جس نے یہ گمان کیا کہ وہ امیر ہے، اگرچہ وہ تاج وتخت کا مالک ہی کیوں نہ ہوں، اس لیے کہ غنی صاحب صدقہ ہے اور فقیر صاحب صدق ہے اور صاحبِ صدق، صاحب صدقہ کی مانند نہیں ہو سکتا۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حکایت لکھتے ہیں کہ میں نے ان سے سُنا کہ لوگ فقر وغنا میں بحث کرتے ہیں اور خود کو مختار خیال کرتے ہیں لیکن میں اسے اختیار کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ میرے لیے اختیار فرمائے اور اس کی میں حفاظت کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے تونگر رکھے تو میں غافل نہیں ہوتا اور اگر درویش بنائے تو حریص اور معترض نہیں ہوتا پس تمنا ایسی نعمت ہے جس میں غفلت ایک آفت ہے۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس حکایت کے رموز کو معنی کے اعتبار سے بہتر قرار دیا ہے اور اصول درویش کے لحاظ سے مختلف بتایا ہے جس کا نتیجہ یہ اخذ کیا ہے کہ دل کو فارغ رکھنے کا نام فقر ہے اور غیر میں مشغول ہونے کا نام غنا ہے۔ جب دل فارغ ہو گیا تو فقر غنا سے افضل ہے اور غنا فقر سے، ساز وسامان کی کثرت کا نام غنا نہیں اور نہ اس کے نہ ہونے کا نام فقر ہے۔ ساز وسامان تو خدا کی طرف سے ہے۔ جب طالب ملکیت سے دستبردار ہو جائے تو شرکت ختم ہو جاتی ہے اور وہ دونوں ناموں (غنی اور فقیر) سے بے نیاز ہو گیا۔

صوفی کون ہے؟:

کشف المحجوب کے باب تصوف میں حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صوفی کی حقیقت اُجاگر کرتے ہوئے دو واقعات دلیل کے طور پر پیش کیے ہیں اور اپنے زمانے کے حوالے سے بتایا ہے کہ:

اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی اکثر مخلوق تصوف اور صوفیائے کرام کی ذاتِ اقدس سے پردے میں رکھی گئی ہے اور تصوف کے لطائف ان کے دلوں سے پوشیدہ رکھے تا کہ کوئی یہ سمجھے کہ یہ ظاہری اصلاح کے لیے ریاضتیں ہیں اور باطنی مشاہدات سے خالی ہیں اور کوئی یہ سمجھے کہ یہ ایک رسم ہے جس کی کوئی اصل وحقیقت نہیں۔ چنانچہ وہ اس حد تک اس کا انکار کرتے ہیں کہ بعض کوچشم اور علمائے ظاہر مکمل طور پر انکار کر کے تصوف سے غفلت میں خوش رہتے ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی عوام بھی ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگتے ہیں، حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حق وصداقت کی راہ میں اگر تم صوفی ہونا چاہتے ہو تو جان لو کہ صوفی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صفت ہے۔ یہ صفت باطن کی صفائی سے پیدا ہوتی ہے اور اس کی حقیقت غیر اللہ سے دل کو جُدا کرنا ہے۔ یہ دونوں صفتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہیں۔ اس کے ثبوت میں حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ جب حضور سید عالم ﷺ کے وصال پاک کے وقت تمام صحابہ کرام حضور کی بارگاہ میں افسردہ ہو کر جمع ہوئے تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار نکال کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

"جس نے یہ بھی کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔"

مطالبہ نہ کرے اور نہ دوست کے فرمان کو ضائع کرے۔

''اس نے ظلم کیا جس نے آدمی کا نام امیر رکھا حالانکہ اس کے رَبّ نے اس کا نام فقیر رکھا۔'' اس لیے کہ اس کا نام حق تعالیٰ کی طرف سے فقیر ہے اگرچہ ظاہر میں وہ امیر ہے مگر حقیقت میں وہ فقیر ہے۔ وہ شخص ہلاک ہو گیا جس نے یہ گمان کیا کہ وہ امیر ہے، اگرچہ وہ تاج وتخت کا مالک ہی کیوں نہ ہوں، اس لیے کہ غنی صاحب صدقہ ہے اور فقیر صاحب صدق ہے اور صاحبِ صدق، صاحب صدقہ کی مانند نہیں ہوسکتا۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حکایت لکھتے ہیں کہ میں نے ان سے سُنا کہ لوگ فقر وغنا میں بحث کرتے ہیں اور خود کو مختار خیال کرتے ہیں لیکن میں اسے اختیار کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ میرے لیے اختیار فرمائے اور اس کی میں حفاظت کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے تونگر رکھے تو میں غافل نہیں ہوتا اور اگر درویش بنائے تو حریص اور معترض نہیں ہوتا پس تمنا ایسی نعمت ہے جس میں غفلت ایک آفت ہے۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس حکایت کے رموز کو معنی کے اعتبار سے بہتر قرار دیا ہے اور اصول درویش کے لحاظ سے مختلف بتایا ہے جس کا نتیجہ یہ اخذ کیا ہے کہ دل کو فارغ رکھنے کا نام فقر ہے اور غیر میں مشغول ہونے کا نام غنا ہے۔ جب دل فارغ ہو گیا تو فقر غنا سے افضل ہے اور غنا فقر سے، ساز و سامان کی کثرت کا نام غنا نہیں اور نہ اس کے نہ ہونے کا نام فقر ہے۔ ساز و سامان تو خدا کی طرف سے ہے۔ جب طالب ملکیت سے دستبردار ہو جائے تو شرکت ختم ہو جاتی ہے اور وہ دونوں ناموں (غنی اور فقیر) سے بے نیاز ہو گیا۔

صوفی کون ہے؟:

کشف المحجوب کے باب تصوف میں حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صوفی کی حقیقت اُجاگر کرتے ہوئے دو واقعات دلیل کے طور پر پیش کیے ہیں اور اپنے زمانے کے حوالے سے بتایا ہے کہ:

اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی اکثر مخلوق تصوف اور صوفیائے کرام کی ذاتِ اقدس سے پردے میں رکھی گئی ہے اور تصوف کے لطائف ان کے دلوں سے پوشیدہ رکھے تاکہ کوئی یہ سمجھے کہ یہ ظاہری اصلاح کے لیے ریاضتیں ہیں اور باطنی مشاہدات سے خالی ہیں اور کوئی یہ سمجھے کہ یہ ایک رسم ہے جس کی کوئی اصل وحقیقت نہیں۔ چنانچہ وہ اس حد تک اس کا انکار کرتے ہیں کہ بعض کوچشم اور علمائے ظاہر مکمل طور پر انکار کر کے تصوف سے غفلت میں خوش رہتے ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی عوام بھی ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگتے ہیں، حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حق وصداقت کی راہ میں اگر تم صوفی ہونا چاہتے ہو تو جان لو کہ صوفی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صفت ہے۔ یہ صفت باطن کی صفائی سے پیدا ہوتی ہے اور اس کی حقیقت غیر اللہ سے دل کو جُدا کرنا ہے۔ یہ دونوں صفتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہیں۔ اس کے ثبوت میں حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ جب حضور سید عالم ﷺ کے وصال پاک کے وقت تمام صحابہ کرام حضور کی بارگاہ میں افسردہ ہو کر جمع ہوئے تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار نکال کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

”جس نے یہ بھی کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔“

اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور بلند آواز سے فرمایا:

"سُن لو! جو حضور ﷺ کی عبادت کرتا ہے وہ جان لے کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا ہے جو حضور ﷺ کے رب کی عبادت کرتا تھا وہ بے شک زندہ ہے جسے موت نہیں۔ اس وقت آپ نے یہ آیت مقدسہ پڑھی:

ترجمہ:۔ "اور حضور تو اللہ کے رسول ہی ہیں۔ آپ سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ تو کیا اب حضور انتقال فرما جائیں یا شہید ہو جائیں تو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے۔"

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کی تشریح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کے معبود حضور ﷺ تھے وہ تو تشریف لے گئے اور جو حضور ﷺ کے ربّ کی عبادت کرتا تھا۔ تو حضور ﷺ کا ربّ زندہ ہے۔ ہرگز اس پر موت نہیں آتی۔ یعنی جس کا دل فانی سے پیوستہ ہوتا ہے تو وہ فانی فنا ہو جاتا ہے لیکن جس کا دل اللہ تعالیٰ سے پیوستہ ہے تو وہ نفس سے فنا ہو جاتا ہے اور دل باقی کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ لہٰذا جس نے حضور سید عالم ﷺ کی بشریت کو آنکھ سے دیکھا اور آپ کو اپنے جیسا بشر جانا تو جب آپ دنیا سے تشریف لے جائیں گے تو اب وہ عزّت جو اس کے دل میں ہے جاتی رہے گی، لیکن جس نے حضور ﷺ کو حقیقت کی آنکھ سے دیکھا تو اس کے لیے آپ کا تشریف لے جانا یا موجود رہنا ایک برابر ہے۔

اب رہا دنیائے فانی سے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل کا خالی ہونا، تو وہ یہ ہے کہ آپ کے پاس جو بھی ساز و سامان اور غلام تھے سب خدا کی راہ میں دے کر ایک کمبل اوڑھ کر بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو گئے۔ اس وقت حضور سید عالم ﷺ نے دریافت فرمایا:

84934

''اے صدیق! تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟''

حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ﷺ۔

جب انسان کا دل دنیاوی صفات سے آزاد ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا کی کدورتوں سے اسے پاک وصاف کر دیتا ہے۔ یہ تمام صفات صوفیِ صادق کی ہیں اور ان کا انکار درحقیقت حق کا انکار ہے۔ درحقیقت صوفی وہ ہے جو بشری کدورتوں سے پاک صاف ہو جائے جیسا کہ مصر کی عورتوں نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کا مشاہدہ کیا تو آپ کے حُسن و جمال کی لطافتوں میں ایسی گم ہوئیں کہ اُن پر بشریت غالب آ گئی۔ اس کے بعد بشریت کا غلبہ عکس ریز ہو کر واپس ہوا اور انتہا و حدِ کمال تک پہنچیں تو اپنی بشریت کی فنا سے آگاہ ہو کر کہنے لگیں۔

''یہ تو بشر ہی نہیں ہے''۔ حالانکہ انہوں نے اپنے کلام کا نشانہ بظاہر حضرت یوسف علیہ السلام کو بنایا تھا لیکن جو حالت اُن پر طاری تھی اُسی کا اظہار انہوں نے کیا۔

اس مسئلے پر مشائخ طریقت فرماتے ہیں کہ حالتِ صفا، بشری صفات میں سے نہیں ہے اس لیے کہ بشر تو ایک مٹی کا تودہ ہے اور مٹی کے تودے میں کدوت تو ہوتی ہے لہٰذا بشری حالت میں رہتے ہوئے۔ کدوت سے نجات ممکن نہیں، لہٰذا صفا کی مثال افعال سے نہیں ہو گی اور محض ریاضت و مجاہدہ سے بشریت زائل نہ ہو گی، کیونکہ صفتِ صفا افعال و احوال سے منسوب نہیں ہے اور نہ اس کا نام و القاب سے تعلق ہے۔ صفا تو محبوبوں کی صفت ہے وہ تو چمکتا ہوا سورج ہیں جس پر بادل کا سایہ نہیں پڑتا، صفا دوستوں کی صفت ہے۔ یہ وہ دوست ہیں جو اپنی صفت فنا کر کے اللہ تعالیٰ کی صفت کے ساتھ باقی ہو گئے ہیں۔

اس تجزیے کی تصدیق کے لیے حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حبیب خدا سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ اور صحابہ کرام کے درمیان حارث کے بارے میں ایک مکالمہ کو

بیان فرمایا ہے۔ صحابہ کرام نے حضور ﷺ سے حارث کے حال کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''وہ ایسا بندہ ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے ایمان سے منور فرمایا ہے ہے یہاں تک کہ اس کا چہرہ اس کی تاثیر سے روشن اور نُورِ ربانی سے درخشاں ہے۔'' چنانچہ حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے تو اُن سے حضور ﷺ نے دریافت فرمایا:

''اے حارث! تم نے صبح کیسے کی؟''

عرض کیا۔''میں نے اللہ کی حقانیت پر ایمان کے ساتھ صبح کی۔''

آپ نے فرمایا: غور کرو اے حارث! تم کیا کہہ رہے ہو، کیونکہ ہر شے کے لیے ایک حقیقت ہوتی ہے تو تمھارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟''

حضرت حارث نے عرض کیا۔''میں نے دنیا سے اپنی جان نکال کر ربّ کو پہچانا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ پتھر، سونا، چاندی، اور مٹی میرے نزدیک سب برابر ہیں کیونکہ دنیا سے منہ موڑ کر عقبیٰ سے لو لگا رکھی ہے۔ اب رات کو بیدار رہتا ہوں اور دن کا پیاسا یہاں تک کہ اب میری حالت یہ ہوگئی ہے کہ میں اپنے آپ کو واضح طور پر دیکھ رہا ہوں اور جنتیوں کو جنت میں ملاقات کرتے دیکھ رہا ہوں اور دوزخیوں کو دوزخ میں ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے ہوئے دیکھتا ہوں۔

اس پر حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا،''اے حارث! تم نے پہچان لیا ہے اب اس پر قائم رہو۔'' آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: کاملین اولیاء اور محققین عرفاء کا نام صوفی ہے۔

گُدڑی اولیاءاللہ کی زینت ہے

داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گُدڑی یا اونی کپڑے پہننا صوفیہ کرام کا شعار ہے اور گدڑی پہننا سُنت ہے۔ حضور اکرم ﷺ صوف کا لباس پہنتے اور دراز گوش کو سواری سے مشرف فرماتے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: اس وقت تک کپڑے کو ضائع نہ کرو جب تک اس میں پیوند لگ سکے: سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ کے پاس ایک ایسی گدڑی تھی جس میں تیس پیوند لگے ہوئے تھے، آپ ہی کا قول ہے۔ سب سے بہترین لباس وہ ہے جس میں آسانی سے محنت کی جا سکے۔

سیدنا علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ کے پاس ایک ایسا لباس تھا جس کی آستینیں انگلیوں تک لمبی تھیں اور جب لباس کی آستینیں زیادہ لمبی ہو جاتیں تو اسے انگلیوں کے برابر کر کے ترشوا دیتے تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی تنہائیوں میں صوف کا لباس پہنتے تھے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیوند لگی گدڑی پہنتے تھے۔ سیدنا امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ، سیدنا امیر المومنین علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ اور ہرم بن حیان بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صوف کا لباس پہنے دیکھا جس پر پیوند لگے ہوئے تھے۔ امام عالم سیدنا ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابتداء میں گدڑی پہن کر گوشہ نشینی کا ارادہ کیا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ نے خواب میں فرمایا:

"تمہیں لوگوں کے درمیان رہنا چاہیئے کیونکہ تمہارے ذریعہ میری سنت زندہ ہو گی۔ اس کے بعد امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے گوشہ نشینی کا ارادہ ترک کر دیا لیکن کبھی قیمتی لباس نہ پہنا۔"

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے گدڑی پہننے کے بارے میں یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ گدڑی پہن کر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں تشریف لائے تو مجلس کے شرکاء نے ان کی طرف حقارت سے دیکھا اس پر امام ابوحنیفہ نے فرمایا:

ابراہیم ادہم ہمارے سردار ہیں جو تشریف لائے ہیں۔لوگوں نے دریافت کیا، اے امام! آپ کے منہ سے کبھی کوئی لغو بات نہیں سُنی۔آپ کس طرح انھیں سرداری کے مستحق سمجھتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا: انھوں نے خدمت کر کے سرداری حاصل کی ہے کیونکہ یہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی خدمت وعبادت میں مشغول رہتے ہیں اور ہم صرف اپنی جانوں کی خدمت کرتے ہیں اس لیے یہ ہمارے سردار ہیں۔

حضرت داتا صاحب گدڑی کی اہمیت اور اس کی معنوی حقیقت روشناس کراتے ہوئے یہ حکایت لکھتے ہیں کہ ایک بزرگ نے کسی سے پوچھا۔

تم نے گدڑی کیوں پہنی؟

اس نے جواب دیا: نفاق کے خوف سے اس لیے کہ جوانمردوں کا لباس پہننے سے جوانمردوں کے معاملات کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں آجاتی کیوں کہ جوانمردوں کا سا بوجھ نہ اُٹھانا اور لباس جوانمردی کا پہننا منافقت ہے اب اگر یہ لباس اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھاری شناخت کرے کہ تم اس کے خاص بندے ہو تو وہ بے لباس بھی شناخت کر لیتا ہے اگر گدڑی اس لیے پہنی جائے کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ تم اللہ کے خاص بندے ہو تو یہ ریاکاری ہوگی۔

گدڑی صوفیوں کیلئے لباسِ وفا ہے

اسی ضمن میں حضرت داتا صاحب نے اپنے استاد ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ طوس میں مَیں نے اُن سے استفسار کیا کہ درویش کے لیے کم از کم کونسی چیز ضروری ہے جو فقر کے لیے سزاوار ہو انھوں نے فرمایا:

تین چیزیں فقر و درویشی کے لیے ضروری ہیں۔ ان میں سے کم پر نام فقر زیبا نہیں ایک یہ کہ گدڑی میں پیوند کی سلائی درست کرے، دوسرے یہ کہ سچی بات سننا پسند کرے اور تیسرے یہ کہ زمین پر پاؤں ٹھیک سے رکھے، یعنی تکبر و غرور کی چال نہ چلے۔ جب میں نے ان سے یہ باتیں دریافت کیں تو صوفیہ کی ایک جماعت بھی موجود تھی اور اس نے بھی باتیں سُنیں۔ جب ہم حضرت گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے مل کر دروازے سے باہر آئے تو ہر ایک نے ان باتوں پر تصرف کرنا شروع کر دیا اور ان جاہلوں کو اسی میں لذت آنے لگی اس جماعت کے ہر فرد کو یقین آ گیا کہ اسی کا نام فقر ہے چنانچہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے لباسوں کو خوب پیوند لگائے اور زمین پر داہنا پاؤں مارنے کو شغل بنالیا اور ہر شخص نے اپنے تئیں یہ سمجھ لیا کہ وہ طریقت کو سمجھتا ہے۔ میرا دل اپنے استاد کی باتوں میں لگا ہوا تھا۔ مجھ سے استاد کی باتوں کو ضائع ہوتے ہوئے نہ دیکھا گیا اور میں نے ان سے کہا اُستاد نے جو کچھ کہا آؤ ہم سب مل کر اس پر بحث کرتے ہیں اور ہر شخص اپنے اپنے فہم کے مطابق اُستاد کی باتوں کی تشریح کرے۔ بحث کے دوران جب میری باری آیہ تو میں نے کہا:

گدڑی میں درست پیوند لگانے کا مقصد یہ ہے کہ فقر کے لیے پیوند لگایا جائے نہ کہ زیب و زینت کے لیے، جب پیوند فقر کے لیے ہوگا تو وہ اگر چہ بظاہر غلط بھی سیا ہو

گا ئیلین فقر میں درست ہوگا۔ سچی بات سننے کا عادی ہونا یہ ہے کہ حال کے لیے ہو نہ کہ اپنے وجود و ہستی کے لیے، اور اس میں کھیل کود اور عیش پسندی کے لیے تصرف نہ کرے بلکہ وجد کے لیے کرے اور ٹھیک پاؤں رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ وجد کی خاطر زمین پر پاؤں رکھے نہ کہ کھیل تماشے کے لیے، کچھ لوگوں نے میری تشریح کو حضرت شیخ کے سامنے بیان کیا تو انھوں نے فرمایا:

علی ہجویری راہ راست پر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انھیں پسند فرمالیا ہے حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گدڑی رکھتے تھے جسے آپ اپنے ساتھ آسمان پر لے گئے۔ ایک بزرگ اس سلسلے میں فرماتے ہیں کہ میں نے انھیں خواب میں دیکھا کہ اُن کی گدڑی کے ہر پیوند سے نُور درخشاں تھا میں نے عرض کیا، اے حضرت مسیح علیہ السلام! یہ انوار آپ کی گدڑی سے کیسے درخشاں ہیں؟ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا:

یہ میرے اضطرار و پریشانی کے انوار ہیں، کیونکہ ہر پیوند میں نے انتہائی ضرورت واحتیاج کے وقت لگایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ہر دکھ اور الم کے بدلے ایک نور بنا دیا۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ماوَرا النہر (وسطی ایشیا) میں ایک ملامتی گروہ کو دیکھا کہ انسان جو کچھ کھا اور پہن سکتا ہے اس میں سے کچھ نہیں کھاتا اور نہ پہنتا تھا وہ صرف وہی چیزیں کھاتا تھا جسے لوگ پھینک دیتے تھے جیسے خراب گلی سڑی ککڑی، کدو اور گاجر وغیرہ اور وہ ایسی گدڑی پہنتا تھا جسے راستوں سے چیتھڑے چن چن کر پاک کر کے بناتا تھا۔

متاخرین اربابِ معنی میں سے ایک بزرگ مرد الرود (ترکستان) کے رہنے والے تھے، ان کا حال انتہائی اچھا اور خصلت انتہائی نیک تھی۔ اُن کی گدڑی اور مصلا میں بے ترتیب پیوند لگے تھے اور اُن میں بچھوؤں نے بچے دیے ہوئے تھے۔

میرے پیرو مرشد نے اکیاون سال تک ایک ہی گدڑی پہنی اور اس میں بے تکلف پیوند لگاتے تھے۔ اہل عراق کی حکایتوں میں میں نے پڑھا ہے کہ عراق میں دو درویش تھے جس میں ایک صاحب مشاہدہ تھے اور دوسرے صاحب مجاہدہ۔ صاحب مجاہدہ درویش نے تمام عمر ایک ایسے تارتار گدڑی پہنی جو سماع کے دوران درویشوں کی سی پھٹی ہوئی تھی اور صاحب مجاہدہ درویش نے زندگی بھر ایسی دریدہ گدڑی پہنی جیسی استغفار کی حالت میں ہوتی ہے اور درویش اس حال میں اپنے لباس تارتار کر لیتے ہیں تا کہ اُن کی ظاہری کیفیت اس کے موافق ہو جائے جو ان کی باطنی سیرت پر ہوتی ہے۔ یہ کیفیت اپنے احوال کی حفاظت کے لیے ہوتی ہے۔ حضرت شیخ محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ نے بیس سال تک نہایت سخت ٹاٹ پہنا۔ وہ ہر سال چار چلّے کرتے اور چالیس روز میں علوم حقائق پر ایک کتاب لکھتے تھے۔ ان کے عہد میں محمد بن زکریا نامی محقق طریقت وحقیقت چیتے کی کھال پر بیٹھتے تھے اور کبھی گدڑی نہیں پہنتے تھے۔ لوگوں نے شیخ بن محمد خفیف سے گدڑی پہننے کی شرائط پوچھیں اور ان پر کون پورا اُتر سکتا ہے تو انہوں نے فرمایا: گدڑی پہننے کی شرط یہ ہے کہ محمد بن زکریا اپنے عمدہ سفید لباس کی جگہ پہنیں اور اس لباس کی حفاظت ان جیسے ہی کر سکتے ہیں۔

سیاہ پوشی

ایک علم کے دعویدار نے کسی سیاہ پوش درویش سے پوچھا:

''تم نے سیاہ لباس کیوں پہن رکھا ہے؟''

درویش نے جواب دیا۔ ''رسول اللہ ﷺ نے تین چیزیں چھوڑی ہیں ایک فقر، دوسرا علم اور تیسری تلوار''۔ تلوار بادشاہوں نے پکڑی مگر اس کو غلط جگہ پر استعمال کیا۔ علم علماء نے اختیار کیا لیکن اُسے پڑھنے اور سیکھنے تک محدود رکھا۔ فقر کو فقراء نے

اپنایا لیکن اُسے دولت و مال کے حصول کا ذریعہ بنالیا۔ میں نے ان تینوں مصیبتوں پر سیاہ پوشی اختیار کی ہے۔

حضرت مرتعش کی حکایت

حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ ایک روز بغداد کے کسی محلہ میں سے گزر رہے تھے کہ انھیں پیاس محسوس ہوئی۔ ایک مکان کے دروازے پر دستک دی اور پانی مانگا تھوڑی دیر بعد ایک عورت پانی کا برتن لے کر آئی۔ انھوں نے پانی پیا اور جب پانی پلانے والی کی طرف دیکھا تو اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئے اور دروازے پر دھرنا مار کر بیٹھ گئے۔ چند لمحوں بعد مالک مکان باہر نکلا تو حضرت مرتعش نے کہا:

اے خواجہ! میں پانی کا ایک گھونٹ پینے کے لیے یہاں آیا تھا اور تمھارے گھر جو عورت پانی پلانے کے لیے آئی، میرا دل لے گئی ہے، مالک مکان نے کہا وہ میری بیٹی ہے اور میں نے اسے تمھارے نکاح میں دے دیا۔

حضرت مرتعش دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر گھر کے اندر گئے اور لڑکی سے نکاح کر لیا۔ لڑکی کا باپ بے حد و حساب امیر تھا وہ انھیں حمام میں لے گیا۔ پھر گدڑی اُتروائی اور عمدہ لباس پہنا دیا۔ رات ہوئی اور حضرت مرتعش نماز پڑھنے کے بعد تنہائی میں ورد کرنے لگے تو انھوں نے آواز دی میری گدڑی لائی جائے۔

گھر والوں نے پوچھا۔ کیا بات ہو گئی ہے؟

حضرت مرتعش نے کہا، غیب سے ندا آئی ہے کہ اے مرتعش! تم نے ایک نظر ہمارے غیر پر ڈالی اور ہم نے اس کی سزا کے طور پر تم سے صلاحیت کا لباس اور تمھارے ظاہر سے گدڑی اُتار لی ہے۔ اب اگر تم دوسری مرتبہ ہمارے غیر پر نظر ڈالو گے تو ہم تمھارے باطن سے اس قرب و معرفت کا لباس بھی اُتار لیں گے جس کے

پہننے سے اللہ کی رضا اور اس کے محبوبوں اور اولیائے کرام کی تائید حاصل ہوتی ہے اور اس پر برقرار رہنا مبارک ہوتا ہے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس میں زندگی بسر کر سکتے ہو تو کرو اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو اولیائے کرام کے لباس میں خیانت نہیں کرنی چاہیئے۔

کوئی حرص دوسری حرص سے بہتر نہیں

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن اپنے مرشد کے ساتھ آذربائیجان میں تھا تو گندم کے ڈھیروں کے قریب میں دو تین گدڑی پوش دیکھے جنھوں نے اپنا دامن پھیلایا ہوا تھا، مزارعوں نے تھوڑی سی گندم ان کی جھولی میں ڈال دی۔ مُرشد نے اُن کی طرف متوجہ ہو کر یہ آیت پڑھی۔

ترجمہ: ''یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی تو انھیں ان کی تجارت میں کوئی نفع نہ ہوا اور نہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔''

میں نے مرشد سے عرض کیا۔ ''یا شیخ! یہ لوگ کس وجہ سے بے عزت ہوئے کہ بر سرِ عام رسوا ہوتے ہیں'' شیخ نے فرمایا۔ ان کے پیروں کو مرید جمع کرنے کا لالچ ہے اور انھیں دنیا کے مال کی حرص ہے، کوئی حرص دوسری حرص سے بہتر نہیں اور امرِ حق کے بغیر دعوت دینا خواہشات کی پیروی ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ ایک روز بغداد کے باب الطلق میں سے گزر رہے تھے کہ انھوں نے ایک انتہائی خوبصورت مجوسی کو دیکھا حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کی کہ خدایا! اسے میری طرف پھیر دے، تو نے اسے کتنا خوبصورت پیدا فرمایا ہے اسی لمحے وہ مجوسی حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ یا شیخ! مجھے کلمہ شہادت پڑھائیے۔ وہ مسلمان ہو گیا

اور جماعت اولیاء میں سے ایک ولی نکلا۔

حضرت شیخ ابوعلی سیاح سے کسی نے دریافت کیا کہ گدڑی پہننا کس کے لیے جائز ہے۔ انہوں نے فرمایا: اس شخص کو جو خدا کی ساری مملکت سے مشرف ہوتے ہوئے سارے جہان میں کوئی حالت ایسی نہ ہو جس کی اسے خبر نہ ہو۔

دوستانِ خدا کی غذا ملامت ہے

شیخ ابو طاہر ہراتی رحمۃ اللہ علیہ ایک دن گدھے پر سوار ہو کر بازار میں گئے۔ ایک مرید نے گدھے کی لگام پکڑی ہوئی تھی۔ کسی نے انھیں دیکھتے ہی کہا ''پیر زندیق آ گیا۔'' جب مرید نے یہ بات سُنی تو اس کی ارادت کی غیرت نے جوش مارا اور لگام چھوڑ کر اپنے پیر کی بے حرمتی کرنے والے کو مارنے کے لیے دوڑا۔ بازار میں شور سا مچ گیا۔ شیخ ابو طاہراتی رحمۃ اللہ علیہ نے مرید کو آواز دے کر کہا، اگر تو خاموش ہو جائے تو میں تجھے ایک نصیحت آموز چیز دکھاؤں گا تاکہ تو سختی کرنے سے باز رہے۔ مرید پیر کی آواز سُن کر پلٹا اور جب پیر کے ساتھ ڈیرے پر آیا تو شیخ ابو طاہر نے کہا:

وہ صندوق اٹھا لاؤ مرید نے صندوق لا کر پیر کے سامنے رکھ دیا اور جب پیر کے حکم سے مرید نے صندوق کھولا تو وہ خطوں سے بھرا ہوا تھا اور یہ خط لوگوں کے تھے، شیخ ابو طاہر نے مرید سے کہا کہ وہ ان خطوں کو پڑھے۔ مرید نے خط پڑھے تو لوگوں نے ان خطوں کے القاب میں کسی نے شیخ الاسلام کسی نے شیخ زاہد، کسی نے شیخ الحرمین وغیرہ لکھا ہوا تھا، شیخ نے مرید سے کہا:

یہ القاب وخطاب ہیں، میرا نام نہیں ہیں۔ حالانکہ میں یہ سب کچھ نہیں ہوں ہر شخص نے اپنے عقیدہ کے مطابق مجھے مخاطب کیا ہے۔ اگر مجھے پیر زندیق کہنے والے اپنے خیال کے مطابق مجھے کچھ کہہ دیا ہے یا میرا کوئی لقب رکھ دیا ہے تو تم کیوں الجھتے

ہو، جھگڑتے ہو اور تکرار کرتے ہو۔

خلیفہ سوم امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن کھجوروں کے باغ سے آرہے تھے اور آپ نے لکڑیوں کا گٹھا سر پر اُٹھایا ہوا تھا۔ حالانکہ آپ کے چار سو غلام بھی تھے، راستے میں کسی نے عرض کیا۔

''اے امیر المومنین! یہ کیا حالت ہے؟''

آپ نے جواب میں فرمایا۔ میں نے چاہا کہ اپنے نفس کا تجربہ کروں۔ اگرچہ یہ کام میرے غلام بھی کر سکتے تھے مگر میں نے اس بات کو پسند کیا کہ اپنے نفس کی آزمائش کروں تاکہ خلقت میں جو میرا رتبہ ہے کسی وجہ سے مجھے کام سے باز نہ رکھ سکے۔ حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ حجاز کے سفر سے آرہے تھے کہ شہر میں اُن کی تشریف آوری کی خبر پھیل گئی اور ہزاروں لوگ آپ کا استقبال کرنے کے لیے شہر سے باہر آکر جمع ہوگئے تاکہ آپ کو عزت واحترام کے ساتھ جلوس کی صورت میں شہر لایا جائے۔ حضرت ابو یزید کو جب معلوم ہوا کہ شہر کے لوگ ان کے استقبال کے لیے جمع ہیں اور اُن کی خاطر ومدارات کے انتظامات کر رہے ہیں تو ان کا دل بھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوگیا اور حق سے منقطع ہوکر پریشان سے ہوگئے، جب استقبال کرنے والوں کے قریب پہنچے تو اچانک قبا کی آستین سے ایک روٹی نکال کر کھانے لگے جبکہ رمضان کا مہینہ تھا اور لوگ ان کی اس حرکت سے منہ موڑ کر چلے گئے۔ حضرت ابو یزید چونکہ سفر میں تھے اور روزہ نہ رکھنے کی سفر میں اجازت ہے جب لوگ چلے گئے تو حضرت ابو یزید نے اپنے ساتھی مرید سے کہا:

تم نے دیکھا شریعت کے ایک مسئلہ پر لوگوں نے مجھے کاربند نہ دیکھا تو سب برگشتہ ہوکر چلے گئے۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن مجھے تصوف کے

جھوٹے دعویٰ داروں کی مجلس میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا۔ اُن میں سے اچانک ایک سے کوئی غلط حرکت سرزد ہوگئی لوگوں اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا یہ ملامت کے لیے تھا۔ ایک نے اس پر کہا، یہ کوئی چیز نہیں جسے تم ملامت کہہ رہے ہو، یہ سُن کر وہ شخص غصے میں آ گیا اور اس کی سانس پھول گئی۔ میں نے اس سے کہا کہ اے شخص! اگر تیرا دعویٰ ملامت کے لئے تھا تو اس جوانمرد کا تیرے دعویٰ سے انکار کرنا بھی تیرے مذہب کی تائید تھی اور جب وہ تیری راہ میں تیری حمایت کرتا ہے تو تمھارا اُس کے ساتھ جھگڑا کرنا بے معنی ہے تیرا یہ قصہ ملامت کی نسبت دعویٰ سے زیادہ مشابہ ہے اور جو شخص امرِ حق کی طرف بلائے اس کے لیے دلائل کی ضرورت ہے اور وہ دلیل سنتِ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت ہے جب میں تجھے ظاہر میں فرائض کا تارک دیکھتا ہوں حالانکہ تُو لوگوں کو اس کی طرف بلاتا ہے تو یہ کام دائرہ اسلام سے باہر ہو جاتا ہے۔

حضرت داتا صاحب ان مندرجہ بالا حکایتوں کو پیش کر کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ ملامتیوں کی طبیعت اللہ تعالیٰ کی کسی چیز سے اتنی نفرت نہیں کرتی جتنی کہ لوگوں میں عزت و منزلت پانے سے نفرت کرتی ہے۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے ماورالنہر میں ایک ملامتی ملا جب وہ خوش ہوا تو اسی دوران میں نے اسے کہا:

اے بھائی! ان افعال بد سے تیری کیا مراد ہے؟

اس نے جواب دیا، لوگوں سے دامن چھڑانے کے لیے۔

میں نے اس بات پر دل میں سوچا۔ یہ مخلوق تو بہت زیادہ ہے اور تیری عمر بہت تھوڑی ہے۔ ان سب سے اپنا پیچھا چھڑانا مشکل ہے۔ اگر تو خلقت سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے تو ان سب کو چھوڑ دے تا کہ ان سب مصروفیات سے تیرا دامن چھوٹ جائے۔

حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت:

کسی نے حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ کو کبھی اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی ہے؟ حضرت ابراہیم ادہم نے فرمایا، دو مرتبہ مجھے اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی ہے ایک اس وقت جب میں ایک کشتی میں سفر کر رہا تھا اور مجھے کسی نے شناخت تک نہ کیا، کیونکہ میں نے پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور بال بڑھے ہوئے تھے۔ ایسی حالت میں کشتی کے سارے مسافر میرا مذاق اڑاتے رہے، کشتی کے مسافروں میں ایک مسخرہ بھی تھا۔ وہ اُلٹی سیدھی حرکتیں کرتا ہوا میرے قریب آتا اور میرے سر کے بال نوچتا، اکھاڑتا اور میرے ساتھ بیہودہ مذاق کرتا، اس کے اس طرح کرنے سے میری خوشی انتہا کو پہنچ گئی جب اس مسخرے نے اُٹھ کر مجھ پر پیشاب کر دیا اور دوسری بار اس وقت مجھے مقصد میں کامیابی ہوئی جب میں ایک گاؤں میں تھا اور وہاں بڑے زور کی بارش ہو رہی تھی۔ موسم بھی سردی کا تھا۔ سردی سے میرا جسم ٹھٹھر سا گیا اور میرے جسم پر گدڑی تھی وہ بھی بھیگ گئی تھی۔ میں نے سردی اور بارش سے بچنے کے لئے ایک مسجد کی طرف رُخ کیا لیکن مسجد میں مجھے ٹھہرنے کی اجازت نہ دی گئی۔ پھر دوسری مسجد کی طرف چلا گیا لیکن وہاں بھی ٹھہرنے نہ دیا گیا۔ اس کے بعد میں تیسری مسجد کی طرف چلا گیا لیکن وہاں میرے ساتھ وہی سلوک ہوا۔ میں عاجز آ گیا اور سردی میری برداشت سے باہر ہو گئی۔ آخر کار تنگ آ کر میں ایک حمام کی بھٹی کے آگے آ کر بیٹھ گیا اور اپنا بھیگا ہوا لباس سکھانے کے لیے آگ کے سامنے کر دیا۔ اس کوشش میں آگ اور دھواں مجھ پر پڑا جس سے میرے کپڑے اور چہرہ سیاہ ہو گئے۔ اس رات بھی میں نے اپنی مراد پا لی۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت

حضرت گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے ایک مشکل پیش آ گئی، لیکن ہزار کوشش کے باوجود یہ مشکل حل نہ ہوئی۔ اس سے پہلے بھی مجھے ایک مشکل پیش آئی تھی تو میں نے حضرت شیخ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر حاضری دی اور وہ مشکل حل ہوگئی۔ اس بار میں ارادہ کیا کہ وہاں حاضری دوں، چنانچہ میں نے تین مہینے تک مزار مبارک پر چلّہ کشی کی تاکہ یہ مشکل حل ہو جائے۔ ہر روز تین مرتبہ وضو کرتا۔ اس اُمید پر کہ یہ مشکل حل ہو جائے گی مگر حل نہ ہوئی اور وہاں سے اُٹھ کر میں خراسان کی طرف چل دیا۔

ایک رات خراسان کے ایک گاؤں میں پہنچا، وہاں ایک خانقاہ تھی جس میں صوفیوں کی ایک جماعت موجود تھی، میرے جسم پر ایک کھردری اور سخت قسم کی گدڑی تھی، مسافروں کی طرح میرے پاس کچھ سامان بھی نہ تھا۔ سوائے ایک لاٹھی اور لوٹے کے۔ صوفیوں نے مجھے اس حال میں دیکھ کر نفرت کا اظہار کیا اور مجھے بالکل شناخت نہ کیا۔ وہ اپنے رسم و رواج کے مطابق آپس میں گفتگو کرتے رہے اور میرے بارے میں انھوں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے اور یہ تھا بھی درست کہ میں اُن میں سے نہیں تھا لیکن میرے لیے وہاں رات گزارنا ضروری تھا، وہاں جگہ بھی نہیں تھی تاہم انھوں نے مجھے ایک درے میں بٹھا دیا اور خود چھت پر چلے گئے۔ انھوں نے اوپر سے ایک جلی ہوئی سُوکھی روٹی میرے لیے پھینکی اور میں اُن کھانوں کی خوشبوئیں سونگھ رہا تھا جنہیں وہ کھا رہے تھے اور ساتھ ساتھ مجھ پر آوازے بھی کس رہے تھے جب وہ کھانا کھا چکے تو انھوں نے خربوزے کھانا شروع کر دیے اور چھلکے مجھ پر پھینکتے گئے۔ انھوں نے خوب میری بے قدری کی اور میں اپنے دل میں کہہ رہا

تھا۔ "اے ربّ کریم! اگر میں تیرے محبوبوں کا لباس پہننے والوں سے نہ ہوتا تو میں ان سے علیحدہ ہو جاتا۔" اس دوران جوں جوں اُن کی پھبتیاں بڑھتی گئیں۔ میرا دل خوشی سے لبریز ہو گیا یہاں تک کہ اس واقعہ کا بوجھ اٹھانے سے میری وہ مشکل حل ہو گئی۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ مشائخ کرام جاہل لوگوں کا اپنے ساتھ شامل ہونا کس لیے برداشت کرتے تھے اور ان کی سختیاں کیوں جھیلتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ جب آپ نے بعیتِ خلافت لی تو آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا جس میں آپ نے فرمایا:

خدا کی قسم! میں ایک رات کے لیے بھی امارت وحکومت کا حریص نہیں اور نہ مجھے اس کی رغبت ہے اور نہ ہی ظاہر و باطن میں مَیں نے اللہ تعالیٰ سے اس کا سوال کیا ہے، میرے لیے حکومت میں کوئی راحت نہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طریقت کے ان گنت رموز و اسرار منسوب ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا: بدوں کی ہم نشینی سے گوشہ نشینی میں راحت وسکون ہے۔ یعنی گوشہ نشینی دو طرح سے ہوتی ہے۔ ایک لوگوں سے کنارہ کشی کرنے سے اور دوسری ان سے تعلق ختم کرنے سے، لوگوں کی صورت یہ ہے کہ ان سے الگ ہو کر تنہائی میں بیٹھ جائے اور ظاہر طور پر ہم نشینوں کی صحبت سے بیزار ہو جائے اور اپنے اعمال کے عیوب دیکھنے سے آرام ملے اور لوگوں کے ملنے جلنے

سے اپنے آپ کو بچائے لیکن لوگوں سے قطع تعلق کرنے کی صورت دل سے ہے اور دل کی کیفیت یہ ہو کہ وہ ظاہر سے کوئی تعلق نہ رکھے۔

جب ابتداء میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام قبول کرنے کی بشارت حضرت جبریل علیہ السلام نے رسولِ خدا ﷺ کو دی اور عرض کیا۔ اے سید عالم! آسمان والے آج حضرت عمر کے اسلام لانے کی بشارت دیتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جس دن بلوائیوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کا محاصرہ کیا اور آپ کے مکان کے دروازے کے سامنے جمع ہو گئے تو آپ کے غلاموں نے ہتھیار اٹھا لیے۔ اس وقت آپ نے غلاموں سے فرمایا۔ آج جو ہتھیار نہ اُٹھائے وہ میری غلامی سے آزاد ہے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ ہم خوف سے باہر نکل آئے۔ اس دوران حضرت امام حسن علیہ السلام آئے اور پھر اُن کے ساتھ دوبارہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آ گئے۔ امام حسن علیہ السلام نے اندر داخل ہو کر سلام کیا اور بلوائیوں کی حرکت پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے کہا ''اے امیر المومنین! میں آپ کے حکم کے بغیر تلوار بے نیام نہیں کر سکتا۔ آپ امامِ برحق ہیں آپ حکم دیں تاکہ آپ سے اس قوم کی بلا دُور کر دوں۔''

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''اے میرے بھائی علی کے فرزند! تم لوٹ جاؤ، اپنے گھر میں آرام کرو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ جائے، ہمارے لیے لوگوں کا خون بہانے کی ضرورت نہیں۔

☆ قرۃ العین زہرہ ابو محمد الحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قدریوں نے جب زور پکڑا اور فرقہ اعتزال دنیا میں پھیلا تو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں خط لکھا:

''اے ابنِ رسول! کی آنکھوں کی ٹھنڈک، آپ پر خدا کی سلامتی اور اس کی رحمت و برکت ہو، آپ تمام بنی ہاشم میں اس کشتی کی مانند ہیں جو گھرے اندھیرے میں جارہی ہو اور آپ ہدایت کے روشن ستارے اور اس کی نشانیوں میں سے ہیں آپ ہی سرکردہ ائمہ میں سے ایک ہیں جس نے آپ کی پیروی کی نجات پا گیا۔ اے فرزندِ رسول! ہمیں قدریوں کے ہاتھوں جو پریشانی لاحق ہے اور ان سے اپنی استطاعت بھر جو اختلاف کیا ہے۔ اس کے بارے میں آپ ہماری رہنمائی فرمائیں اور بتائیں کہ آپ کی کیا رائے ہے کیونکہ آپ اولادِ رسول ہیں۔ آپ ہمیں اپنے علم سے ہرگز بے بہرہ نہ رکھیں گے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم خصوصی عطا فرمایا ہے وہی آپ کا محافظ و نگہدار ہے اور آپ ہم سب لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے محافظ و پاسبان ہیں۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے اس خط کے جواب میں لکھا:

بعد اسم الٰہی کے تم نے جو کچھ اپنی پریشانی اور ہماری اُمت کی حیرانی کے بارے میں لکھا ہے اس میں میری رائے یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقدیر خیر و شر پر ایمان نہیں رکھتا۔ وہ کافر ہے۔ جو اللہ کی نافرمانی کو اس کے حوالے سے کرتا ہے وہ فاسق و فاجر ہے یعنی تقدیر کا انکار، قدریوں کا مذہب ہے اور معاصی و نافرمانی کے سپرد کرنے کا مذہب جبریوں کا ہے۔ بے شک نہ جبر سے اطاعت ہے اور نہ غلبہ سے بے فرمان و گنہگار رہوتا ہے نہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے ملک میں مہمل و بیکار چھوڑتا ہے

لیکن وہ ان مملکتوں کا مالک ہے جو بندوں کے اختیار میں نہیں اور وہ اطاعت بجالانا چاہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں اس سے باز نہیں رکھتا اور نہ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کا محتاج ہے۔ اگر وہ گناہ و نافرمانی کرنا چاہیں اور خدا کی مشیت یہ ہو کہ ان پر احسان فرمائے تو ان کے درمیان کوئی فعل حائل کر دیتا ہے۔ اب اگر وہ گناہ کا ارتکاب کریں تو یہ بات نہیں ہے کہ خدا نے انھیں مجبور کر دیا تھا اور جبر سے وہ فعل ان کے درمیان لازم کیا۔ یہ ان پر دلیل و حجت کے طور پر اگر وہ اسے تسلیم کریں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے راہِ ہدایت واضح کر دی ہے تاکہ وہ امرِ معروف کریں اور بدلوں سے بچیں۔

حضرت امام حسن علیہ السلام دارالخلافہ کوفہ میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک دیہاتی آیا اور آپ کے والدین اور آپ کو بُرا کہنے لگا۔ اس کی بات سُن کر آپ اٹھے اور فرمایا:

اے دیہاتی! کیا تو بھوکا ہے یا تجھے کوئی اور دُکھ پہنچا ہے۔

اس نے پھر آپ کو اور آپ کے والدین کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اس پر حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا۔ ایک طشت چاندی کا بھر لاؤ۔

خادم طشت چاندی سے بھر لایا تو آپ نے اُسے دیتے ہوئے کہا:

یہ لو! اور یقین کرو اس سے زیادہ اس وقت گھر پر موجود نہیں، ہمیں معذور سمجھنا ورنہ زیادہ دینے سے بھی دریغ نہ کرتا۔

دیہاتی نے آپ کی یہ بات سُنی تو کہنے لگا۔ اے ابنِ رسول! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ یقیناً ابنِ رسول ہیں۔ آپ کی خدمت میں مَیں صرف آپ کے حلم و بردباری کی آزمائش کرنے آیا تھا۔

امام حسین علیہ السلام

ایک دن ایک شخص حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور

کہنے لگا اے فرزندِ رسول! میں ایک نادار شخص ہوں میرے بچے بھوکے ہیں۔ مجھے اپنے پاس اپنے رات کے کھانے سے کچھ عنایت فرمادیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا! بیٹھ جاؤ، میرا رزق ابھی راستے میں ہے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں سے ایک شخص اشرفیوں کی پانچ تھیلیاں لے کر آیا۔ ہر تھیلی میں پانچ ہزار اشرفیاں تھیں۔ لانے والے نے کہا: امیر معاویہ معذرت خواہ ہیں اور کہتے ہیں کہ فی الحال ان کو تو آپ اپنے خدام پر خرچ کریں یہاں تک کہ اس سے زیادہ پھر حاضر ہوں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس نادار شخص کی طرف اشارہ فرمایا اور پانچوں تھیلیاں اُسے عطا کرتے ہوئے فرمایا: میں معذرت خواہ ہوں کہ میں نے تمھیں انتظار کی زحمت دی صرف اتنا ہی یہ بے خطر عطیہ تھا جو ملا ہے۔ اگر میں جانتا اتنی قلیل مقدار میں ہے تو تمھیں انتظار نہ کراتا۔ اب مجھے معذور جانو! ہم تو اہل بلا سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنی دنیاوی ضروریات کو چھوڑ رکھا ہے اور اپنی راحتوں کو فنا کر کے دوسروں کی زندگیوں کے خواستگار ہیں۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے اہل وعیال اور رفیقوں سمیت کربلا میں شہید کر دیے گئے تو حضرت امام زین العابدین کے سوا کوئی نہ بچا جو مستورات حرم کا محافظ ہو اس وقت آپ بیمار تھے اور انھیں بغیر کجاوے کے اونٹ کی ننگی پیٹھ پر سوار کرا کے دمشق لایا گیا تو یزید کے دربار سے کسی نے اُن سے پوچھا:

اے رحمت کے گھرانے والے! تم نے صبح کیسے کی۔

آپ نے فرمایا: ہم نے اپنی قوم میں اس طرح صبح کی جس طرح حضرت موسیٰ

علیہ السلام کی قوم نے فرعونیوں میں صبح کی تھی کہ فرعونیوں نے ان کے بچوں کو قتل کر دیا لیکن اُن کی عورتوں اور بچیوں کو زندہ رکھا۔ لہٰذا ہم نہیں جانتے کہ اس امتحان گاہ میں ہماری صبح ہماری شام کے مقابلے میں کیا حقیقت رکھتی ہے۔ ہم خدا کی نعمتوں پر شکر بجا لاتے ہیں اور اس کی بلا و مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں۔

ایک سال ہشام بن عبدالملک بن مروان بڑی شان و شوکت سے حج کرنے آیا۔ یاد رہے ہشام بن عبدالملک بن مروان شاہانہ انداز سے مکہ میں مقیم تھا اور اُس کے ساتھیوں کو دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے کسی بہت بڑے لشکر نے پڑاؤ ڈالا ہوا ہے۔

وہ طواف کعبہ میں مشغول تھا اور چاہتا تھا کہ حجر اسود کو بوسہ دے لیکن لوگوں کے ہجوم میں اُسے راستہ نہ ملا اور الگ کھڑا ہو کر خطبہ دینے لگا۔ اسی دوران حضرت امام زین العابدین مسجد حرام میں اس شان و عظمت سے داخل ہوئے کہ ان کا چہرہ روشن، رخسار منور اور آپ کا لباس معطّر تھا۔ آپ نے طواف شروع کیا۔ جب آپ حجر اسود کے نزدیک پہنچے تو لوگ طواف کے احترام و تعظیم میں حجر اسود سے پرے ہٹ گئے اور اپنے آپ ایک راستہ بن گیا تاکہ آپ حجر اسود کو بوسہ دے سکیں۔

شامیوں نے جب آپ کی یہ شان و شوکت دیکھی تو ہشام سے کہنے لگے، امیر المومنین! تمھیں تو لوگوں نے حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے راہ نہ دی حالانکہ تم امیر المومنین ہو اور یہ خوبرو نوجوان جب آیا تو پرے ہٹ گئے اور اس کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ یہ سن کر ہشام نے کہا: میں اسے نہیں جانتا کہ یہ کون ہے۔

اس انکار سے ہشام کا مقصد یہ تھا کہ شامی لوگ انھیں پہچان نہ سکیں اور ان کی پیروی میں کہیں ان کی امارت کا شوق نہ پیدا ہو جائے۔ شاعر فرزدق اس وقت وہاں کھڑا تھا اس نے بے اختیار ہو کر کہا:

میں انھیں خوب جانتا ہوں۔

شامی کہنے لگے اے ابوالفراس! تم ہی بتاؤ کہ یہ کون ہے۔اس سے پہلے اس ہیبت ودبدبے والا نوجوان ہم نے کہیں نہیں دیکھا۔

فرزدق شاعر نے کہا، کان کھول کر سن لوتا کہ میں ان کا حال اور اُن کے وصف و نسب کو بیان کردوں۔اس کے بعد اُس نے فی البدیہہ یہ قصیدہ موزوں کیا۔

یہ وہ شخص ہے جس کے شانِ قدم بطحا والے جانتے ہیں اور خانہ کعبہ وحرم اسے جانتے ہیں۔

یہ شخص اللہ کے سارے بندوں میں سب سے زیادہ افضل بندے کا فرزند ہے۔

یہ پرہیزگار پاکیزہ اور نیکی میں مشہور شخص ہے۔

یہ بنت رسول فاطمۃ الزہرا کے فرزند کا فرزند ہے اگر تم ناواقف ہو۔ان کے نانا اللہ تعالیٰ نے سلسلہ نبوت ختم فرمایا۔

ان کی منور پیشانی سے نُور ہدایت اس طرح جلوہ فگن ہے جس طرح آفتاب کی روشنی سے تاریکیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

یہ اپنی آنکھیں تو حیا سے نیچی رکھتا اور لوگوں کی آنکھیں اس کے دبدبہ سے جھکی رہتی ہیں۔اسی لیے رعب ودبدبہ مٹانے کے لیے ہنس کر کلام کرتا ہے۔

جب کوئی قریش انھیں دیکھتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ ان کی بزرگی پر تمام بزرگیاں ختم ہیں عزت ومنزلت کی ایسی بلندی پر فائز ہیں جہاں عرب وعجم کے مسلمان ان سے فخر کی نسبت حاصل کرتے ہیں۔

ان کے نانا کی فضیلت تمام نبیوں کی فضیلتوں سے زیادہ ہے ان کی فضیلت سب اُمتوں سے زیادہ ہے۔

ان کے ہاتھ میں زران کی چھڑی ہے جس کی خوشبو دل نواز ہے۔ان کی ہتھیلی کی خوشبو ہر طرف پھیل رہی ہے۔

نرم اخلاق والے ہیں۔اچانک غصہ کا ان سے ذر نہیں، یہ اپنی دو خوبیوں، حسن اخلاق اور عادت سے مزین ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے اوصاف سے ان کی فضیلت نکلی ہے۔ان کے عناصر اور خُو پاکیزہ ہے۔

اے ہشام تیرا انکار انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔انھیں تو عرب و عجم پہچانتا ہے ان کے دونوں ہاتھ فریادرس اور ان کا فیض عام ہے۔ یہ ہاتھ بے انتہا بخشش کرنے کے باوجود خالی نہیں ہوتے۔

مخلوق خدا پر ان کا احسان عام ہے جس سے گمراہی، تنگدستی اور ظلم پراگندہ ہو جاتے ہیں۔کوئی بخشش کرنے والا ان کی بخشش کی حد سے بڑھ نہیں سکتا اور کوئی قوم ان کی ہمسر نہیں ہو سکتی خواہ وہ کتنی ہی بزرگ ہو۔

قحط سالی کے وقت یہ موسلا دھار بارش میں شیر ببر ہیں اور سخت گرم ایام میں نہایت نرم دل ہیں۔ یہ اس زمرہ میں سے ہیں جن سے محبت دین ہے اور ان سے عداوت کفر ہے۔ان کا قرب باعث نجات اور جائے پناہ ہے۔

اگر پرہیز گاروں کا شمار کیا جائے تو یہ سب کے امام ہیں، اگر اہل زمین سے اچھے شمار کیے جائیں تو یہی کہا جائے گا کہ یہی ہیں۔ان کے نزدیک تونگری اور مفلسی دونوں ایک برابر ہیں، ان کے ہاتھوں کی فراخی تنگدستی کم نہیں کر سکتی۔اللہ نے انھیں شرافت و منزلت سے فضیلت دی ہے۔ یہی حکم فضیلت لوح و قلم میں بھی جاری ہوا۔

ذکر الٰہی کے بعد ان کا ذکر مقدم ہے، ہر میدان میں انہی کا کلمہ گونج رہا ہے۔ وہ کون سا قبیلہ ہے جن کی گردنوں پر ان کے اجداد کا احسان نہیں ہے۔

فرزدق کے ان اشعار پر ہشام نے اُسے گرفتار کر لیا اور عسفان کے جیل خانہ میں بند کر دیا۔ یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ یہ خبر حضرت امام زین

العابدین کو ملی تو انھوں نے فرمایا:

بارہ ہزار درہم اس کے پاس لے جاؤ اور اس سے کہو اے ابوالفراس! ہمیں معذور سمجھو کیونکہ ہم محتاج ہیں اس سے زیادہ ہمارے پاس نہیں تھا جو تمھیں دے سکتے۔

فرزدق کو جب یہ بارہ ہزار درہم ملے تو اس نے واپس دیتے ہوئے کہا:

اے فرزند رسول اللہ! میں نے بادشاہوں اور امیروں کی تعریف میں بہت سے اشعار لکھے ہیں اور ان شعروں میں جھوٹی مدح سرائی کی گئی تھی اب اس کے کفارہ میں چند اشعار خدا کے لیے فرزندانِ رسول خدا ﷺ کی محبت میں عرض کیے ہیں۔

جب یہ پیغام اور بارہ ہزار درہم حضرت امام زین العابدین کو واپس ملے تو انھوں نے دوبارہ ابوالفراس فرزدق کے پاس لے جانے کا حکم دیا اور فرمایا:

ابوالفراس! اگر تم ہم سے محبت رکھتے ہو تو اسے قبول کرو اور اسے پسند نہ کرو کہ ہم جو چیز اپنی مِلک سے نکال کر کسی کو دیں اُسے واپس لے لیں۔

فرزدق نے یہ درہم قبول کر لئے اور احسان مندی کے اظہار کے لیے اور اشعار کہے۔

سیّدنا امام جعفر محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ

وقت کے حکمران نے ایک دن آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا اور آپ کو کسی ذریعہ بلوایا۔ جب آپ اس کے پاس پہنچے تو وہ معذرت کرنے لگا اور تحائف پیش کر کے عزت کے ساتھ واپس بھیج دیا۔

لوگوں نے حکمران سے پوچھا:

اے بادشاہ! تُو نے تو انھیں شہید کرنے کے لیے بُلوایا تھا لیکن تم نے اس کے برعکس سلوک کیا ہے اور اس کی وجہ کیا ہے؟

حکمران نے کہا: جب وہ میرے قریب آئے تو میں نے دو شیروں کو دیکھا جوان کے دائیں بائیں کھڑے تھے اور مجھ سے کہہ رہے تھے کہ اگر تم نے انھیں ہلاک کیا ہم تجھے ہلاک کر دیں گے۔

جب رات کا ایک پہر گزر جاتا اور آپ درود وظائف سے فارغ ہو جاتے تو اس وقت اونچی آواز میں مناجات کرتے۔

اے خدا! اے میرے مالک! رات آ گئی ہے اب بادشاہوں کا تصرف واختیار ختم ہو چکا ہے۔ آسمان پر ستارے جگمگانے لگے ہیں لوگ سو چکے ہیں، مخلوق گھروں میں بند ہو گئی ہے ان کی آوازیں ناپید ہو گئی ہیں ان کی آنکھیں بند ہو گئی ہیں۔ خلقت لوگوں کے دروازوں سے ہٹ گئی ہے اور بنو اُمیہ آرام کر رہے ہیں۔ انھوں نے خزانوں کے دروازوں کو بند کر کے محافظوں کو کھڑا کر دیا ہے جو لوگ ان سے حرص ولالچ رکھتے ہیں۔ اب وہ بھی ان سے دُور ہیں۔

اے میرے خدا! تُو زندہ و پائندہ ہے۔ دیکھنے اور جاننے والا ہے تجھ پر اونگھ اور نیند حرام ہے جو تجھے ایسا نہ جانے وہ کسی نعمت کا حق دار نہیں، اے خداوندِ کریم! کوئی چیز تجھے کسی چیز سے نہیں روک سکتی۔ رات دن تیری بقا میں حائل نہیں ہوتے۔ تیری رحمت کے دروازے ہر دُعا کرنے والے پر کُھلے ہیں اور تیرے خزانے تیری حمد وثناء کرنے والے پر وقف ہیں تو ایسا مالکِ حقیقی ہے کہ کسی سائل کو محروم رکھنا تیری شان کے لائق نہیں۔ جو مومن بھی تیری درگاہ میں دُعا مانگے تُو اُسے رد نہیں فرماتا اور زمین و آسمان میں کسی سائل کو محروم نہیں رکھتا۔ اے میرے خدا! جب موت، قبر اور روز حساب کو یاد کرتا ہوں تو دنیا مین دل کس طرح راحت پذیر ہو سکتا ہے۔ لہٰذا تجھی سے درخواست کرتا ہوں اور تجھی کو تنہا فریاد رس جانتا ہوں اور تجھی سے مانگتا ہوں جو بھی میری حاجت ہو میری عرض یہ ہے کہ موت کے وقت عذاب سے محفوظ رکھنا اور حساب

کے وقت راحت عطا فرمانا۔

یہ مناجات کرتے اور تمام رات روتے، ایک رات کسی عقیدت کیش نے عرض کیا اے میرے اور میرے ماں، باپ کے سردار! کب تک یوں گریہ زاری اور سینہ فگاری کرتے رہیں گے۔

آپ نے فرمایا: اے دوست! سیّدنا یعقوب علیہ السلام کا ایک یوسف گم ہوا تھا تو وہ اتنا روئے تھے کہ آنکھوں کی بینائی جاتی رہی اور آنکھیں سفید ہوگئیں۔ میرے تو اٹھارہ نفوس اپنے والدِ ماجد حضرت امام حسین علیہ السلام اور دیگر شہیدانِ کربلا گم ہو گئے ہیں۔ یہ اس سے کم نہیں، اب میں ان کے فراق میں آنکھیں سفید نہ کروں۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ایک دن حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے ابنِ رسول! مجھے کوئی نصیحت فرمائیں، میرا دل سیاہ ہوگیا ہے۔

آپ نے فرمایا: اے ابا سلیمان! (حضرت داؤد کی کنیت) تم تو اپنے عہد کے مشہور زاہد ہو، تمھیں میری نصیحت کی کوئی ضرورت نہیں۔

حضرت داؤد طائی نے دوبارہ عرض کیا، اے فرزندِ رسول! آپ کو ساری مخلوق پر فضیلت حاصل ہے اور آپ پر سب کو نصیحت فرمانا واجب ہے۔

حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا۔ اے ابا سلیمان! میں اس لیے خوفزدہ ہوں کہ کل قیامت کے دن میرے جدِ کریم علیہ السلام کہیں مجھ سے بازپرس نہ کریں کہ کیوں میری اتباع کا حق ادا نہیں کیا اور یہ معاملہ نہ نسبتِ صحیح سے متعلق ہے اور نہ نسبتِ قوی سے بلکہ یہ معاملہ خدا کی پیروی کرنے سے متعلق ہے۔

یہ سُن کر حضرت داؤد طائی آبدیدہ ہو گئے اور کہنے لگے، اے خدا! جس شخص کا

خمیر ہی نبوت کے پانی سے ہے اور جس کی طبعی نشو نما ہی اپنے جدِ کریم علیہ السلام کے برہان و حجت کے اصول سے ہے جس کی مادِ معظّمہ بتول ہیں اور جن کا اسم گرامی بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے وہی جب بذاتِ خود حیرانی و پریشانی میں ہیں تو داؤد کس گنتی میں ہے وہ کب اپنے زہد و تقوی میں مغرور ہو سکتا ہے۔

ایک دن حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے خادموں کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا۔'' آؤ تم سب مجھ سے بیعت و عہد کرو کہ تم میں سے کوئی بھی جب ہم میں سے رستگاری پائے وہ قیامت کے دن میری شفاعت کرے۔ سب عرض کرنے لگے۔

اے ابن رسول! آپ کو ہماری شفاعت کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کے جدِ کریم تو خود ساری مخلوق کے شفیع ہوں گے۔

آپ نے فرمایا: میں اپنے افعال سے شرمندہ ہوں، بروز قیامت اپنے جدِ کریم علیہ السلام کے رُوبرو کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رکھتا۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ رسول کریم ﷺ کے زمانۂ حیات ظاہری میں تھے۔ آپ کو دو چیزوں نے دیدار جمال دو جہاں ﷺ سے روکے رکھا۔ ایک آپ کا غلبۂ حال تھا اور دوسرا آپ کی والدہ کا حق تھا۔ رسول کریم ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا:

اویس نامی قرن میں ایک مرد خدا ہے جس کی شفاعت سے قیامت کے دن قبیلہ ربیعہ اور مُضر کی بھیڑوں کے بالوں کی تعداد کے برابر میری اُمت جنت میں داخل ہو گی۔ پھر حضور نے سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ تم اُسے دیکھو گے۔ وہ پستہ قد، لمبے بال، اور داہنی جانب گول

سفید نشان والا شخص ہوگا۔ یہ سفیدی کا داغ ہرگز برص کی قسم کا نہ ہوگا۔ ایسا ہی سفید داغ اس کی ہتھیلی پر ہوگا۔ وہ ربیعہ ومضر کی بکریوں کی تعداد کے برابر میری اُمت کی شفاعت کرے گا۔ جب تم اس سے ملاقات کرو تو میرا اسلام پہنچا کر کہنا کہ میری اُمت کے لیے دُعا کریں۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جب سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر المومنین سید نا علی مرتضے کرم اللہ وجہہ کے ساتھ مکہ مکرمہ آئے تو انھوں نے اپنے خطبہ میں فرمایا۔ اے نجد کے رہنے والو! کھڑے ہوجاؤ، سب لوگ اِک دم کھڑے ہوگئے۔ حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت فرمایا، تم سے کوئی قرن کا رہنے والا ہے؟

آواز آئی۔ ہاں!

اس کے بعد کچھ لوگ سامنے آئے، جن سے حضرت اویس قرنی کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے بتایا کہ وہ ایک دیوانہ ہے، جو کبھی آبادی میں نہیں آتا اور نہ ہی کسی سے ملتا جلتا ہے وہ عام لوگوں کی طرح کھاتا بھی نہیں جو دوسرے کھاتے ہیں، وہ نہیں کھاتا، نہ اُسے خوشی کا احساس ہے نہ غم کا۔ لوگ ہنستے ہیں تو وہ روتا ہے، لوگ روتے ہیں تو وہ ہنستا ہے۔

سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس سے ملنا چاہتا ہوں۔

لوگوں نے کہا: وہ جنگل میں ہمارے اونٹوں کے پاس ہے۔ یہ سُن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور لوگوں کے ساتھ جنگل میں آئے تو اس وقت حضرت اویس قرنی نماز ادا کر رہے تھے۔

نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت علی اور فاروق اعظم نے سلام عرض کیا اور اُن کی ہتھیلی پر سفید نشان، دیکھ کر دُعا کے طلبگار ہو کر پیغمبر خدا ﷺ کا سلام اور اُمت کے لیے

دعا کرنے کی وصیت پہنچائی۔ کچھ دیر اُن کے پاس رہے۔ حضرت اویس قرنی نے فرمایا: آپ نے خواہ مخواہ تکلیف فرمائی ہے۔ اب جائیں، قیامت نزدیک ہے، ہمیں وہاں ایسا دیدار نصیب ہوگا۔ جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ اب میں قیامت کا راستہ بنانے اور صاف کرنے میں مصروف ہوں۔

جب قرن کے رہنے والوں کو یہ معلوم ہوا کہ دونوں عظیم المرتبت صحابی حضرت اویس قرنی کو رسول خدا ﷺ کا سلام پہنچانے آئے تھے۔ تو انھیں احساس ہوا کہ حضرت اویس قرنی کس اعلیٰ مرتبے کے انسان ہیں۔ وہ حضرت اویس قرنی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ وہاں سے کوفہ کی طرف روانہ ہو چکے تھے، جہاں اُنھیں صرف ہرم بن حیان نے ایک مرتبہ دیکھا۔ اس کے بعد کسی کو نظر نہ آئے اور آخری وقت انھیں جنگِ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حمایت میں دشمنوں سے لڑتے ہوئے دیکھا گیا اور اسی جنگ میں شہید ہوئے۔

حضرت ہرم بن حیان رضی اللہ عنہ

جنہیں صحابہ کرام کی مجلسوں میں بیٹھنے کا شرف حاصل تھا۔ ایک دن حضرت اویس قرنی سے ملنے کا ارادہ لے کر قرن پہنچے تو وہ وہاں سے جا چکے تھے، مایوس ہو کر مکہ مکرمہ آئے جہاں اُنھیں معلوم ہوا کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کوفہ میں ہیں، اسی وقت کوفہ پہنچے لیکن پھر بھی زیارت سے محروم رہے اور کافی عرصہ تک کوفہ میں مقیم رہے، ایک روز بصرہ جانے کے لیے کوفہ سے روانہ ہونے لگے تو اچانک فرات کے کنارے انھیں حضرت اویس قرنی کھڑے نظر آئے جو جُبہ پہنے وضو کر رہے تھے۔ حضرت حرم بن حیان نے فوراً انھیں پہچان لیا۔ وہ فرات کے کنارے سے دور آکر اپنی ریش مبارک میں کنگھی کرنے لگے تو حرم بن حیان نے سامنے آکر سلام کیا۔ حضرت

اویس قرنی نے فرمایا، وعلیکم السلام یا حرم بن حیان۔

حرم بن حیان نے پوچھا، آپ نے مجھے کیسے پہچان لیا کہ میں حرم ہوں۔

فرمایا، میری روح نے تمھیں پہچان لیا۔ حضرت حرم بن حیان کافی دیر تک زیارت سے فیض یاب ہوئے اور چلے گئے۔ حضرت حرم فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اکثر حضرت اویس قرنی کے بارے میں باتیں ہوئیں میں نے حضرت اویس قرنی سے بروایت حضرت عمر فاروق سنا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور سیدنا ﷺ سے سُنا کہ حضور نے ارشاد فرمایا:

''بلا شُبہ ہر عمل کا انحصار نیتوں پر ہے۔ ہر شخص کو اس کی نیت کا پھل ملے گا۔''

صبر کی قسمیں

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک دیہاتی حاضر ہوا اور استفسار کیا کہ صبر کی کتنی قسمیں ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، صبر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ بلا اور مصیبت میں صبر کیا جائے اور دوسری یہ کہ جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اُن پر صبر کیا جائے۔ جن چیزوں کے پیچھے چلنے سے منع فرمایا ہے، انھیں نہ کرے، یہ سُن کر دیہاتی نے کہا، آپ بہت ہی بڑے زاہد ہیں، میں نے آپ سے بڑھ کر زاہد کوئی نہیں دیکھا، حضرت حسن بصری نے فرمایا:

اے دیہاتی! میرا زہد مرغوب چیزوں میں ہے اور میرا صبر بے قراری میں ہے۔

دیہاتی نے کہا، آپ اس کی وضاحت فرمائیں کیونکہ میرا عقیدہ منتشر ہو گیا ہے۔

حضرت بصری نے فرمایا: بلاؤں پر میرا صبر کرنا اور خدا کی منع کردہ چیزوں سے دور رہنا یہ اطاعت الٰہی ہے کیونکہ یہ دوزخ کی آگ کے خوف سے ہے اور یہ بے

قراری ہے، رغبت ہے۔ خوشی کی بات تو یہ ہے کہ دنیا میں اپنے نصیب کو حاصل کرے تاکہ اس کا صبر اللہ تعالیٰ کے لیے ہو نہ کہ اپنے جسم کو دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے ہو اور اپنا زہد خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو نہ کہ بہشت میں جانے کی خواہش کے لیے ہو۔

حرام وحلال

ائمہ طریقت تابعین میں سے رئیس العلماء سیدنا ابنِ المسیب ایک روز مکہ مکرمہ میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر پوچھا، مجھے بتائیے کہ وہ کونسا حلال ہے جس میں حرام نہ ہو اور وہ کونسا حرام ہے جس میں حلال نہ ہو۔

آپ نے فرمایا، خدا کو یاد کرنا ایسا حلال ہے جس میں حرام ہی نہیں ہے اور غیر اللہ کو یاد کرنا ایسا حرام ہے جس میں حلال ہی نہیں ہے۔ اسی لیے ذکر الٰہی میں نجات ہے اور ذکر غیر میں ہلاکت ہے۔

سیّدنا حبیب العجمی رحمۃ اللہ علیہ

سیّدنا حضرت بصری ایک روز حضرت حبیب العجمی کی خانقاہ کی طرف گزرے۔ انھیں دیکھتے ہی حضرت حبیب العجمی نے اقامت شروع کر دی جب حسن بصری خانقاہ میں داخل ہوئے تو آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ سیدنا حضرت بصری نے ان کی اس لیے اقتدا نہ کی کہ قرآن کریم کی تلاوت میں عربی ان کی زبان سے صحیح طور پر ادا نہیں ہو رہی تھی۔ رات کو جب سیّدنا حسن بصری کو خواب میں دیدار الٰہی ہوا اور انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ خدایا! تیری رضا کس چیز میں ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اگر اے حسن تُو نے میری رضا پائی تھی مگر اس کی قدر نہ

جانی۔

حضرت حسن بصری نے عرض کیا، خدایا، وہ کون سی رضا تھی؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم حبیب العجمی کی اقتدا میں نماز پڑھتے تو اس کی نیت کی دُرستگی اس کی عبادت کے معتبر ہونے کا انکار سے محفوظ رکھتی تو ہم تجھ سے راضی ہو جاتے۔

جب سیّد حسن بصری حجاج کے ظلم سے تنگ آ کر حبیب عجمی کی خانقاہ میں تشریف لائے تو حجاج کے سپاہی بھی اُنھیں تلاش کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئے اور حضرت حبیب عجمی سے پوچھا۔

اے حبیب! تم نے حسن بصری کو کہیں دیکھا ہے؟

فرمانے لگے، ہاں!

سپاہیوں نے کہا: کس جگہ پر ہیں۔

فرمایا: میرے حجرے میں ہیں۔

سپاہی حجرے میں گئے لیکن وہاں کسی کو نہ پا کر واپس آئے، اُنھوں نے سمجھا کہ حبیب عجمی نے اُن سے مذاق کیا ہے۔ وہ برہم ہوئے اور کہنے لگے سچ بتاؤ کہ حسن بصری کہاں ہیں؟

حضرت حبیب عجمی نے قسم کھا کر کہا: میں سچ کہتا ہوں۔ میرے حجرے میں ہیں سپاہی دو تین بار حجرے میں گئے لیکن حضرت بصری کو نہ دیکھ سکے اور واپس چلے گئے۔

حسن بصری حجرے سے باہر آئے اور فرمایا:

اے حبیب! میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمھاری برکت سے ان ظالموں کے چنگل سے بچا لیا لیکن یہ بتائیں کہ تم نے کیوں کہہ دیا کہ میں حجرے میں ہوں۔

حبیب عجمی نے جواب دیا۔ ''اے مرشدِ حق! اللہ تعالیٰ نے میری برکت کی وجہ

سے آپ کو ظاہر نہیں کیا بلکہ سچ بولنے کی وجہ سے خدا نے اُنھیں آپ کو نہ دکھایا۔ اگر جھوٹ بولتا تو اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو رُسوا کر دیتا۔

سیّدنا مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ

مالک بن دینار حضرت حسن بصری کے گہرے دوستوں میں تھے۔ ابتداء میں آپ غلام تھے اور پیدا ہوئے تو ان کے والد بھی غلام تھے آپ کی توبہ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ایک رات آپ ایک جماعت کے ساتھ رقص و سرود کی محفل میں گئے، جب سو گئے تو جس طنبورے کو آپ بجا رہے تھے اس میں سے آواز آئی۔ اے مالک تیرا کیا حال ہے؟ کب تک توبہ نہ کرو گے؟

اُسی وقت اُٹھے اور حسن بصری کی خدمت میں حاضر ہو کر سچی توبہ کی اور اپنا حال درست کر لیا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کشتی میں سفر کر رہے تھے کہ کشتی میں ایک تاجر کا موتی گُم ہو گیا اور تاجر نے مالک بن دینار پر شک کیا۔ کشتی پر سوار تمام لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ نے آسمان کی طرف چہرہ اُٹھایا، اُسی وقت دریا میں جتنی مچھلیاں تھیں سطحِ آب پر اُبھریں اور ہر ایک کے منہ میں موتی تھا۔ آپ نے ایک مچھلی کے منہ سے موتی لیا اور تاجر کو دے دیا۔ اس کے بعد آپ نے کشتی میں سے قدم باہر نکالا اور دریا کی سطح پر چلتے ہوئے پار ہو گئے۔

حضرت حبیب بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حبیب بن اسلم بکریاں پالتے تھے اور فرات کے کنارے بیٹھے تھے۔ ان کا طریقہ خلوت گزینی تھا۔ ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ فرات کی طرف

سے میرا گزر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ خود تو نماز میں مشغول ہیں اور ایک بھڑیا اُن کی بکریوں کی رکھوالی کر رہا ہے۔ دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ ان کی زیارت کی جائے۔ میں اُن کے نماز سے فارغ ہونے تک وہیں کھڑا رہا جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے آگے ہو کر سلام کیا۔

حضرت حبیب بن اسلم نے پوچھا۔ بیٹا کس کام سے آئے ہو۔

میں نے کہا۔ آپ کی زیارت کے لیے آیا ہوں۔

جزاک اللہ!

میں نے پھر عرض کیا۔ یا شیخ! بھیڑیئے کو آپ کی بکریوں کے ساتھ موافقت دیکھتا ہوں فرمانے لگے، اس لیے کہ بکریوں کے چرواہے کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ موافقت ہے یہ کہہ کر آپ نے لکڑی کا ایک پیالہ پتھر کے نیچے دکھ دیا، پتھر سے اسی وقت دُودھ اور شہد بہنے لگا۔ پیالہ بھر کر مجھے دیا اور فرمایا نوش کرو۔

فرمانے لگے۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی متابعت کے ذریعہ۔ اور اے بیٹے! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم اگرچہ مخالف تھی لیکن پتھر نے اُن کے لیے پانی دیا، حالانکہ موسیٰ علیہ السلام، حضور سید عالم ﷺ کے درجہ کے نہ تھے، جبکہ میں حضور سید عالم ﷺ کا فرماں بردار ہوں تو آخر پتھر مجھے شہد اور دودھ کیوں نہ دے کیونکہ حضور اکرم ﷺ، موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔

میں نے پھر عرض کیا: مجھے کچھ نصیحت فرمائیں۔

آپ نے فرمایا: اپنے دل کو حرص کی کوٹھڑی اور پیٹ کو حرام کی جگہ نہ بناؤ کیونکہ لوگوں کی ہلاکت انہی چیزوں سے ہے اور ان کی نجات ان کی حفاظت میں۔

ابو حازم المدنی رحمۃ اللہ علیہ

عمرو بن عثمان بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ لوگوں نے آپ سے پوچھا۔
آپ کی پونجی کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: میرا مال خدا کی رضا اور لوگوں سے بے نیازی ہے۔

ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ مین ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھیں سوتا دیکھ کر انتظار کرنے لگا تاکہ بیدار ہو جائیں۔ تھوڑی دیر بعد ابو حازم بیدار ہوئے اور فرمایا: اس وقت میں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے اور حضور پاک نے تمھارے لیے ایک پیغام دیا ہے، فرمایا ہے کہ ماں کے حق کی حفاظت کرنا حج کرنے سے بہتر ہے۔ لوٹ جاؤ! ماں کی خدمت کرو۔

سیّدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

ابتدائے حال میں ابو حنیفہ لوگوں سے بیزار ہو گئے اور گوشہ نشینی کا ارادہ کیا کہ لوگوں کے ہجوم سے نکل جائیں تاکہ منصب وحشمت کے خیال کو دل سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں تمام رات کھڑے رہیں۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ رسول اکرم ﷺ کی مبارک ہڈیوں کو جمع کر رہے ہیں، خواب کی ہیبت سے بیدار ہو گئے اور ایک صحابی سیّدنا محمد بن سیرین سے اس خواب کی تعبیر دریافت کی۔ انھوں نے فرمایا تم رسول اللہ ﷺ اور آپ کی سُنت کی حفاظت میں اس قدر بلند درجہ حاصل کرو گے گویا تم ان میں تصرف کر رہے ہو اور صحیح کو غلط سے ممتاز کرو گے۔

دوسری مرتبہ رسول کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ حضور نے فرمایا:

اے ابو حنیفہ! تمھیں میری سُنت زندہ کرنے کے لیے زندہ کیا گیا ہے۔ تم گوشہ

نشینی کا ارادہ ترک کر دو۔

مشہور ہے کہ آپ کے زمانہ میں ابو جعفر المنصور خلیفہ تھا۔ اس نے یہ انتظام کیا کہ امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری، مسعر بن کدام اور شریح میں سے کسی ایک کو قاضی بنا دے۔ چاروں دربار کی طرف جا رہے تھے کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا: میں تم سے اپنی فراست کے مطابق کچھ کہنا چاہتا ہوں، سب نے کہا، آپ جو بھی فرمائیں گے درست ہو گا۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا، میں کسی بہانے سے اس منصب قضا کو خود سے دُور کر دونگا مسعر بن کدام خود کو دیوانہ بنا لیں، سفیان بھاگ جائیں اور شریح قاضی بن جائیں۔ چنانچہ سفیان ثوری بھاگ گئے اور ایک کشتی میں گھس کر کہنے لگے، مجھے پناہ دو لوگ میرا سر کاٹنا چاہتے ہیں۔

ان کے کہنے کی وجہ یہ تھی کہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جسے قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔ ملاح نے سفیان ثوری کو کشتی میں چھپا دیا۔ باقی تینوں حضرات خلیفہ کے دربار میں گئے۔ خلیفہ نے امام ابو حنیفہ سے کہا آپ کو قاضی ہونا چاہیئے۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا: اے امیر! میں تو ایسا شخص ہوں جو عربی نہیں بلکہ ان کے غلاموں میں سے ہوں۔ عرب کے سادات میرے حکم پر راضی نہ ہوں گے۔

ابو جعفر نے کہا: یہ کام نسبت و نسل سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس کے لئے علم درکار ہے اور آپ تمام علمائے زمانہ سے بڑھ کر ہیں۔

امام ابو حنیفہ نے جواب دیا: میں اس وقت منصب کے لائق نہیں ہوں۔ میرا یہ کہنا کہ میں اس منصب کے لائق نہیں، اگر سچ ہے تو واقعی میں اس قابل نہیں ہوں اور اگر جھوٹا ہوں تو ایک جھوٹے کو مسلمانوں کا قاضی نہیں ہونا چاہیئے۔ تو خدا کی مخلوق پر

حاکم ہے۔ ایک جھوٹے کو اپنا نائب بنانا اور لوگوں کے احوال کا معتمد اور مسلمانوں کی ناموس کا محافظ مقرر کرنا زیب نہیں دیتا، امام ابوحنیفہ اس طرح اپنے منصب قضا سے نجات پانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد خلیفہ نے حضرت مسعر کو بلایا۔ انھوں نے خلیفہ منصور کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

اے منصور! تیرا کیا حال ہے اور تیرے اہل و عیال کیسے ہیں؟

منصور نے کہا، یہ تو دیوانہ ہے اسے باہر لے جاؤ۔ اس کے بعد خلیفہ منصور شریح کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا، یہ منصب تمھیں ملنا چاہیئے۔

انھوں نے فرمایا، میں سودادی مزاج کا آدمی ہوں اور میرا دماغ بھی کمزور ہے۔

منصور نے کہا، تم مزاج کے مطابق شربت شیرے سے علاج کرو تاکہ دماغی کمزوری دور ہو اور عقل کامل حاصل ہو، چنانچہ قاضی کا عہدہ شریح کو دے دیا گیا۔ سیّدنا امام ابوحنیفہ نے انھیں چھوڑ دیا اور پھر کبھی ان سے بات نہ کی۔

سیّدنا امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جب نوفل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور تمام لوگ حساب کی جگہ کھڑے ہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ حوضِ کوثر کے کنارے کھڑے ہیں۔ اور آپ کے دائیں بائیں جلیل القدر مشائخ کھڑے ہیں۔ ان میں ایک بزرگ کو دیکھا جن کا چہرہ نورانی اور سر پر سفید بال ہیں اور حضور کے رخسار مبارک پر اپنا رخسار رکھے ہوئے ہیں اور ان کے برابر لوگوں کو دیکھا جب نوفل نے مجھے دیکھا تو وہ میری طرف آئے اور سلام کیا۔ میں نے کہا، مجھے پانی دیجئے، انھوں نے کہا میں حضور سے اجازت لیتا ہوں۔ حضور نے اپنی انگشت مبارک سے اجازت مرحمت فرمائی چنانچہ انھوں نے مجھے پانی دیا اس سے کچھ میں نے پیا اور کچھ اپنے ساتھیوں کو پلایا لیکن اس پیالہ کے پانی میں سے کچھ کم نہ ہوا۔ میں دریافت کیا۔ اے نوفل! حضور کی داہنی جانب کون بزرگ

ہیں؟ نوفل نے جواب دیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اس طرح میں دریافت کرتا رہا، یہاں تک کہ سترہ بزرگوں کے بارے میں پوچھا۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو ہاتھ کی سترہ گرہوں کی گنتی پر میری انگلی تھی۔

حضرت یحییٰ ابن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! قیامت میں حضور کو کہاں تلاش کروں۔

آپ نے فرمایا: ابوحنیفہ کے جھنڈے کے پاس۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ملک شام میں سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مؤذنِ مسجد نبوی کے سرہانے سویا ہوا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ میں ہوں اور حضور نبی کریم ﷺ ایک بزرگ کو آغوش میں اس طرح لیے ہوئے ہیں جیسے بچوں کو شفقت سے آغوش میں لیتے ہیں اور باب بنی شیبہ سے داخل ہو رہے ہیں میں نے دوڑ کر حضور کے پائے اقدس کی پشت کو بوسہ دیا۔ میں متعجب و حیران تھا کہ یہ بزرگ کون ہیں۔ حضور کو اپنی معجزانہ شان سے میری باطنی حالت اور دل کی پریشانی معلوم ہوگئی اور فرمایا: یہ تمھارے امام ہیں جو تمھارے ملک ہی کے ہیں یعنی امام ابوحنیفہ ہیں!

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے جب علم حاصل کرلیا اور ایک جہان نے انھیں اپنا رہنما تسلیم کرلیا تو ایک دن سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: آپ رہنمائی فرمائیں کہ اب کیا کروں؟

امام صاحب نے فرمایا: اب تم اپنے علم پر عمل کو لازم کرلو کیونکہ بغیر عمل کے علم ایسا ہے جیسے روح کے بغیر جسم ہوتا ہے۔

ابتدائی توبہ

حضرت عبداللہ بن المبارک مروزی رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی توبہ کا واقعہ ہے کہ آپ ایک باندی پر عاشق ہو گئے اور ایک رات آپ مستوں کے درمیان سے اُٹھ کر ایک ساتھی کے ساتھ باندی کے مکان کی دیوار کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ باندی بھی چھت پر آ گئی۔ صبح ہونے تک دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور حضرت عبداللہ نے فجر کی اذان سُنی تو گمان کیا کہ یہ عشاء کی اذان ہے لیکن جب دن کا اُجالا پھیلا تو احساس ہوا کہ وہ تمام رات باندی کے حسن کے نظارہ میں محو رہے ہیں۔ یہی احساس ان کے لیے تازیانہ ثابت ہوا اور اپنے آپ سے کہنے لگے۔

اے مبارک کے بیٹے! تجھے شرم کرنی چاہیئے آج کی رات محض اپنے نفس کے لیے پاؤں پر کھڑے گزار دی اور اس پر تو بزرگی کے اعزاز کا طلبگار ہے اور اگر نماز میں امام سُورۃ کو لمبا کر دے تو گھبرا جاتا ہے۔ پھر مومن ہونے کا دعویٰ بھی کرتا ہے۔ اسی وقت آپ نے توبہ کی اور علم کی تحصیل اور جستجو میں مشغول ہو گئے۔ انھوں نے اس قدر زہد تقویٰ اختیار کیا کہ آپ ایک دن اپنی والدہ کے باغ میں گئے تو وہ سو رہی تھیں اور ایک سانپ ریحان کی بڑی شاخ لے کر اُن کے چہرہ پر سے مکھی اور مچھر اڑا رہا تھا۔ اس کے بعد وہ مقام مرو سے بغداد میں آ گئے۔ کچھ عرصہ وہاں سے حجاز تشریف لے آئے اور مستقل سکونت اختیار کر لی۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا۔

آپ نے کون سی عجیب و غریب چیز دیکھی ہے؟

آپ نے فرمایا: میں نے ایک راہب کو دیکھا جس کا جسم مجاہدوں سے پگھل چکا تھا اور خوفِ خدا سے کبڑا ہو گیا تھا۔ میں نے اُس سے پوچھا، اے راہب! خدا کی رسائی کی کونسی راہ ہے؟ اُس نے جواب دیا، اگر تم اسے جانتے تو اس کی راہ بھی معلوم

ہوتی۔ میں خوف زدہ ہوں کہ میں اسے نہیں جانتا اور نہ ہی پہچانتا ہوں اور تم اس کے نافرمان ہو جس کو تم جانتے ہو۔

حضرت عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ میں نے اس نصیحت کو گرہ میں باندھ لیا اور اس سے میں ناجائز افعال سے باز رہا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیدنا ابو علی فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فقراء میں بہت بزرگ اور ان کے پیشوا ہیں۔ توبہ سے پہلے عیار اور رہزن تھے لیکن ان کی طبیعت ہر وقت اصلاح کی طرف مائل رہتی تھی جس قافلہ میں کوئی عورت ہوتی تو اس کے قریب تک نہ جاتے اور جس کے پاس تھوڑا سرمایہ ہوتا اس کا سامان نہ لیتے اور وہ ہر شخص کے پاس کچھ نہ کچھ سرمایہ ضرور چھوڑ دیتے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مرو سے ایک سوداگر سفر پر روانہ ہوا تو لوگوں نے اُسے کہا کہ وہ اپنے ساتھ کوئی ہتھیار وغیرہ رکھے کیونکہ راستے میں فضیل راہزنی کرتا ہے۔ سوداگر نے جواب دیا۔ میں نے سُنا ہے کہ وہ رحمدل اور خداترس مرد ہے۔ سوداگر نے معاوضہ پر ایک قاری بھی ساتھ لیا اور اونٹ پر سوار ہو کر سفر پر روانہ ہو گیا۔ دن بھر راستے میں قاری کلام پاک کی تلاوت کرتا رہا اور قافلہ اس مقام پر پہنچ گیا جہاں فضیل تھے۔ قافلہ لوٹنے کے لیے گھات لگائے بیٹھے تھے۔

اتفاق سے قاری نے یہ آیت تلاوت کی، ”کیا ابھی تک مومنوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ذکر الٰہی سے ان کے دل ڈریں۔“ فضیل نے جب یہ آیت سُنی تو اس کے دل پر رقت طاری ہوگئی۔ فضل الٰہی نے اس کے دل پر غلبہ دکھایا اور اُسی وقت رہزنی سے توبہ کرلی جن جن لوگوں کے مال واسباب لوٹے تھے۔ ان کے نام انھیں معلوم تھے۔ ان کے نام انھیں معلوم تھے سب کو راضی کیا اور مکہ مکرمہ چلے گئے۔

اولیائے کرام کی صحبتوں میں رہے۔ کوفہ آئے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بیٹھنے لگے۔ ان سے بڑی روایات منسوب ہیں جو محدثین میں بہت مقبول ہیں۔ وہ حقائق تصوف و معرفت میں اعلیٰ درجے کی گفتگو کرتے تھے۔

فضل بن ربیع بیان کرتے ہیں کہ میں ہارون رشید کے ساتھ مکہ مکرمہ میں تھا اور جب ارکان حج سے فارغ ہوئے تو ہارون رشید نے مجھ سے کہا۔

یہاں اگر کوئی مردانِ خدا میں سے ہے تو میں اس کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔

میں نے کہا: ہاں ہے، اور میں ہارون الرشید کو عبدالرزاق صنعانی کے پاس لے آیا جہاں بڑی دیر گفتگو ہوتی رہی۔ رخصت ہونے لگے تو ہارون الرشید نے مجھے اشارہ کیا کہ ان سے دریافت کروں کہ اگر ان پر کوئی قرضہ ہو تو میں ادا کردوں۔ میں نے عبدالرزاق صنعانی سے پوچھا تو انھوں نے کہا، ہاں! ہارون الرشید نے مجھے حکم دیا کہ ان کا قرضہ ادا کردیا جائے۔

باہر نکل کر ہارون الرشید نے کہا" اے فضل! میرا دل چاہتا ہے کہ اس سے بڑے بزرگ کی زیارت کروں، یہ سن کر میں ہارون رشید کو حضرت سفیان بن عیینہ کے ہاں لے آیا۔ اُن سے بھی دیر تک بات چیت ہوتی رہی جب واپس ہونے لگے تو ہارون رشید نے پھر مجھے اشارہ کیا کہ ان سے بھی قرضہ کے بارے میں دریافت کروں، چنانچہ جب میں نے دریافت کیا تو انھوں نے کہا، ہاں قرضہ ہے، ہارون الرشید نے حکم دیا کہ ان کا قرضہ بھی ادا کردیا جائے۔ اس کے بعد یہ باہر آگئے اور ہارون رشید نے پھر کہا:

اے فضل! ابھی میرا مقصد حاصل نہیں ہوا کسی اور بزرگ کی زیارت کراؤ۔ میں نے کہا مجھے یاد آیا کہ یہاں حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ چنانچہ میں ہارون رشید کو حضرت فضیل کے پاس لے گیا۔ وہ اس وقت بیٹھے گوشہ تنہائی میں قرآن

پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔ میں نے دستک دی اور اندر سے آواز آئی، کون ہے؟

میں نے کہا: امیر المومنین ہیں۔

فضیل نے جواب دیا۔ مجھے امیر المومنین سے کیا سروکار۔

میں نے جواب میں کہا: سبحان اللہ! کیا رسول کریم ﷺ کی یہ حدیث نہیں کہ کسی انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خود کو ذلیل کرے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشادِ مقدس مکمل صداقت ہے، لیکن رضائے الٰہی اس کے حضور میں دائمی عزت ہے اور تم مجھے اس حالت میں ذلیل گمان کرتے ہو، حالانکہ اطاعت الٰہی میں عزت ہی عزت ہے۔ یہ فرمایا اور نیچے آکر دروازہ کھول دیا، پھر چراغ بجھایا اور ایک کونے میں کھڑے ہو گئے ہارون رشید نے قدم اندر رکھا جب فضیل کے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے مس ہوئے تو فرمایا: ''ایسا نرم و نازک ہاتھ میں نے نہیں دیکھا۔ مجھے دُکھ ہوگا اگر اس پر عذاب الٰہی نازل ہو۔''

یہ سنتے ہی ہارون رشید پر رقت طاری ہوگئی اور اتنا رویا کہ بیہوش ہوگیا۔ جب دوبارہ ہوش میں آیا تو کہنے لگا۔ محترم فضیل مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔

حضرت فضیل نے فرمایا: اے امیر المومنین! تیرا باپ سید عالم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کا چچا تھا۔ انھوں نے حضور سے درخواست کی کہ مجھے اپنی قوم کا امیر بنا دیجیے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس کی درخواست قبول فرمائی اور ارشاد ہوا۔ اے چچا! میں نے تمھیں تمھاری جان کا امیر بنا دیا کیونکہ ایک سانس اطاعت الٰہی میں گزرے تو اس سے بہتر ہے کہ لوگ ہزار سال تک تمھاری فرماں برداری کریں۔ اس لیے کہ قیامت کے دن امیری میں ندامت و شرمندگی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

ہارون رشید نے عرض کیا: کچھ اور بھی نصیحت فرمائیں!

حضرت فضیل بن عیاض نے فرمایا: ''جب عمرو بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عوام نے خلافت پر فائز کیا تو انھوں نے سالم بن عبداللہ، رجاء بن حیٰوۃ اور محمد بن کعب القرظی جیسے بلند مرتبہ دانشوروں کو بلایا اور ان سے فرمانے لگے: عوام نے مجھے ان مصیبتوں میں پھنسا دیا ہے تو اب کیا تدبیر اختیار کروں کیونکہ میں امارت کو مصیبت سمجھتا ہوں، یہ اور بات ہے کہ لوگ اسے نعمت سمجھتے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک نے کہا اے عمر بن عبدالعزیز! اگر تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رہنا چاہتے ہو تو مسلمان بزرگوں اور بوڑھوں کو اپنے باپ کی مانند سمجھو، جوانوں کو بھائی بچوں کو اپنی اولاد کی مانند سمجھو اور ان سب کے ساتھ وہی سلوک کرو جس طرح کسی خاندان کا سربراہ اپنے بھائیوں اور بیٹوں کے ساتھ کرتا ہے کیونکہ یہ ساری اسلامی مملکت تمھارے گھر کی مانند ہے۔ ان شہروں کے عوام تمھارے گھر والے ہیں۔ تم اپنے بڑوں کی زیارت کرو، بھائیوں کی عزت کرو اور بچوں سے محبت کرو۔

اس کے بعد حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اے امیر المومنین! ایسا نہ ہو کہ تیرا یہ خوبصورت چہرہ دوزخ کی آگ میں گرفتار ہو، خدا کا خوف رکھو اور اس کا حق اس سے بہتر انداز میں ادا کرو۔

ہارون رشید نے عرض کیا: کیا آپ پر کچھ قرض کا بوجھ ہے؟

حضرت فضیل نے ایک آہ بھری اور فرمایا۔ ہاں! خدا کا قرض میری گردن پر ہے وہ اسکی اطاعت ہے۔ اگر وہ اس پر مجھے گرفت میں لے تو میری بدنصیبی ہے۔

ہارون رشید نے عرض کیا: محترم فضیل! میں لوگوں کے قرض کے بارے میں پوچھ رہا ہوں؟

حضرت فضیل نے فرمایا:

رب ذوالجلال کا شکر و احسان ہے اس نے مجھے بڑی نعمتیں عطا کی ہیں۔

ہارون رشید نے دوبارہ عرض کیا تو کچھ اپنی ضرورتوں کے لئے قبول فرمائیں۔

حضرت فضیل نے فرمایا: اے امیر المومنین! میری اتنی نصیحتوں کا تجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا اور مجھے بھی اس ظلم میں شریک کرتے ہو اور بیدادگری کو اپنا پیشہ بناتے ہو۔

ہارون رشید نے کہا: میں نے آپ پر کونسا ظلم کیا ہے اور بیدادگری کی ہے؟

فرمایا: میں تمھیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تو مجھے مصیبت میں مبتلا کرتا ہے۔ یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔

یہ سنتے ہی ہارون رشید پھوٹ کر رونے لگا اور کچھ دیر میں میں اور ہارون رشید آنسو بہاتے ہوئے باہر آ گئے۔

راستے میں ہارون رشید نے مجھ سے کہا: اے فضل بن ربیع! بادشاہ درحقیقت حضرت فضیل ہی ہیں اور یہ اس عظمت کی دلیل ہے جو انھیں دنیا والوں میں حاصل ہے۔ دنیا اور اس کی خوبصورتی ان کی نگاہ میں حقیر ہے وہ دنیا والوں سے دنیا کے لیے نہیں ملتے۔

خدا دوست

سیدنا ابو الفیض ذوالنون مصری جن کی عظمت و بزرگی کو سمجھنے سے لوگ قاصر تھے۔ مصر میں ایک بھی ایسی نگاہ نہ تھی جو اُن کے حال و جمال سے آشنا ہوتی اور یہاں تک کہ اُن کے وصال کے وقت تک کوئی بھی اُنھیں پہچان نہ سکا، جس رات انھوں نے دنیا سے رحلت فرمائی اس رات مصر کے ستر اہل فقر نے حضور سیدنا عالم ﷺ کی خواب میں زیارت کی اور آپ نے فرمایا: خدا کا دوست اور محبوب دنیا سے آ رہا ہے اس کے خیر مقدم کے لیے آیا ہوں۔

جب حضرت ذوالنون مصری کو کفن پہنایا جا رہا تھا تو لوگوں نے ان کی پیشانی پر

یہ الفاظ لکھے ہوئے پڑھے:

''یہ اللہ کا محبوب جو اللہ کی محبت میں مرا اور شہید ہوا۔''

جب مصر کے عوام نے اُن کا جنازہ کندھوں پر اُٹھایا تو فضا کے تمام پرندوں نے جمع ہو کر پروں سے پر ملا کر جنازہ پر سایہ کر دیا۔ عوام نے یہ منظر دیکھا تو خوفزدہ ہو کر حضرت ذوالنون مصری پر روا رکھے گئے اپنے جور و ستم پر لرز اُٹھے اور توبہ کرنے لگے۔

ایک دن حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ چند ساتھیوں کے ساتھ دریائے نیل میں کشتی پر جا رہے تھے۔ اس وقت دستور کے مطابق کشتیوں کا مقابلہ ہو رہا تھا۔ مصریوں کا دستور تھا کہ وہ کشتیوں میں سوار ہوتے اور جب کوئی دوسری کشتی قریب آتی تو اس میں سوار لوگ گانے بجانے کا شغل کرتے اور خوب شور غل مچاتے۔ چنانچہ کوئی کشتی حضرت ذوالنون مصری کی کشتی کے قریب آئی اور اس میں سوار گانے بجانے والوں نے خوب شور و غل اور ہنگامہ کیا تو حضرت ذوالنون مصری کے شاگردوں نے عرض کیا۔ یا شیخ! ان کے لیے یہ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو غرق کر دے تاکہ ان کی ہنگامہ آرائی سے لوگوں کو نجات حاصل ہو۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہو گئے اور ہاتھ اٹھا کر دُعا کی، یا اللہ! جس طرح تُو نے ان لوگوں کو دنیا میں خوشیاں بخشی ہیں اسی طرح اس جہان میں بھی ان کو خوشی و مسرت عطا فرما!

شاگردوں نے یہ دعا سُنی تو حیرت زدہ ہو گئے اور جب وہ کشتی اور زیادہ قریب آئی اور اُن کی نظریں حضرت ذوالنون مصری پر پڑیں تو بے اختیار رونے لگے، انھوں نے اُسی وقت ساز وغیرہ توڑ دیے اور تائب ہو گئے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ بیت المقدس سے مصر تشریف لا رہے تھے کہ انھوں نے دُور سے ایک شخص کو آتے ہوئے دیکھا اور دل میں سوچا اس

سے کچھ پوچھنا چاہیئے، جب وہ شخص قریب آیا تو وہ جھکی ہوئی کمر والی بڑھیا تھی۔ عصا اس کے ہاتھ میں تھا اور پشمین کا جُبہ اُس نے پہنا ہوا تھا۔

حضرت ذوالنون مصری نے پوچھا۔ کہاں سے آرہی ہو؟

اُس نے جواب دیا۔ خدا کی طرف سے۔

حضرت ذوالنون مصری کے پاس ایک دینار تھا جوانھوں نے اس بڑھیا کو دینا چاہا، لیکن بڑھیا نے زور سے اُن کے چہرے پر طمانچہ مار کر کہا:

اے ذوالنون! تُو نے جو مجھے سمجھا ہے۔ وہ تیری نادانی ہے۔ میں خدا کے لیے کام کرتی ہوں اور کسی سے کچھ نہیں لیتی اور اسی کی عبادت کرتی ہوں۔ اتنا کہہ کر بڑھیا آگے بڑھ گئی۔

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابواسحاق ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ بلخ کے امیر تھے۔ ایک دن شکار کو گئے اور لشکر سے بچھڑ گئے۔ اس وقت وہ ہرن کا پیچھا کر رہے تھے۔ اچانک دوڑتے ہوئے ہرن کو اللہ تعالیٰ نے بولنے کی قوت عطا کی اور اس نے رُک کر کہا:

اے ابراہیم! کیا تم اس کام کے لیے پیدا کیے گئے ہو یا تمھیں اس کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم یہ سن کر گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ اسی وقت دنیا سے کنارہ کش ہو کر زہد و ورع کی راہ اختیار کر لی اور حضرت فضیل بن عیاض، حضرت سفیان ثوری کے حلقہ ارشاد میں داخل ہو گئے۔

حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک جنگل میں تھا تو ایک بوڑھے نے مجھ سے کہا:

اے ابراہیم! تم جانتے ہو کہ یہ کونسا مقام ہے جہاں زادراہ کے بغیر سفر کر رہے ہو۔ یہ سُن کر میں سمجھ گیا کہ یہ شیطان ہے۔ اس وقت میرے پاس چار سکے چاندی کے تھے جنھیں میں نے کوفہ میں زنبیل فروخت کر کے حاصل کیے تھے، اُنھیں میں نے فوراً جیب سے نکال کر پھینک دیا اور عہد کیا کہ ہر میل پر چار سو رکعت نماز ادا کروں گا۔ میں چار سال تک جنگل میں رہا اور ہر وقت اللہ تعالیٰ بغیر مشقت کے روزی عطا فرماتا رہا۔ اسی دوران خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے مجھے اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم سکھایا جس سے میرا دل غیر اللہ سے خالی ہو گیا۔

رازِ بخشش

حضرت بشر بن الحارث بن الحافی رحمۃ اللہ علیہ توبہ سے پہلے ایک دن نشہ کی حالت میں گھر سے نکلے۔ راستہ میں انھیں ایک کاغذ کا ٹکڑا ملا جس پر بِسْمِ اللہ تحریر تھا۔ اُنھوں نے اس کاغذ کو تعظیم کے ساتھ اُٹھایا۔ پھر اُسے عطر میں بسایا اور پاک جگہ پر رکھ دیا۔ اسی رات انھوں نے خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے فرمایا:

اے بشر! تُو نے میرے نام کو خوشبودار کیا مجھے اپنی عزت کی قسم یقیناً تیرے نام کو دنیا اور آخرت میں خوشبودار کروں گا۔ یہاں تک کہ جو بھی تیرا نام سُنے گا اس کے دل میں راحت ہو گی، مشاہدہ حقِ تعالیٰ میں غلبہ کی شدت اس حق تک تھی کہ وہ پاؤں میں جوتا نہیں پہنتے تھے۔ لوگوں نے ننگے رہنے کی وجہ دریافت کی تو فرمانے لگے۔ زمین خدا کا فرش ہے میں جائز نہیں سمجھتا کہ اس کے فرش پر اس حالت میں پڑوں کہ میرے پاؤں اور اس کے فرش کے درمیان کوئی واسطہ حائل ہو جائے۔

صاحبِ کعبہ کا دیدار

حضرت ابو یزید طیفور بن عیسٰی بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں پہلی مرتبہ مکہ مکرمہ حاضر ہوا تو صرف خالی کعبہ نظر آیا اور دل میں گُمان کیا کہ اس قسم کے پتھر میں نے بہت سے دیکھے ہیں۔ دوسری مرتبہ حاضر ہوا تو خانہ کعبہ کو بھی دیکھا اور صاحب کعبہ کو بھی دیکھا میں نے خیال کیا کہ ابھی حقیقتِ توحید سے دُور ہوں۔ جب تیسری مرتبہ حاضر ہوا تو صرف صاحبِ خانہ کو دیکھا، گھر نظر نہ آیا، اس وقت غیب سے آواز آئی کہ اے بایزید! اگر اپنے آپ کو نہ دیکھا اور سارے عالم کو دیکھا تو تُو مُشرک نہ ہوا اور جب تو سارے عالم کو نہ دیکھے اور اپنے آپ کو دیکھے تو مُشرک ہو جائے۔ میں نے اسی وقت توبہ کی، توبہ سے بھی توبہ کی اور اپنی ہستی کو بھی دیکھنے سے توبہ کی۔

حضرت ابوسلیمان داؤد ابن نصر طائی رحمۃ اللہ علیہ اکابر مشائخ اور سادات اہل تصوف میں سے اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے۔ امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد اور حضرت فضیل بن عیاض، حضرت ابراہیم ادہم کے ہم عصر تھے، طریقت میں حضرت حبیب راعی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے گوشہ نشین اور ہر جاہ و منزلت سے بے نیاز تھے۔ مشہور ہے کہ وہ محمد ابن حسن سے دوستی رکھتے تھے اور امام ابو یوسف قاضی کو اپنے قریب نہیں آنے دیتے تھے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا یہ دونوں بہت بڑے عالم ہیں کیا وجہ ہے کہ ایک کو آپ عزیز جانتے ہیں اور دوسرے کو قریب نہیں آنے دیتے۔

فرمانے لگے وجہ یہ ہے کہ محمد بن حسن نے دنیاوی بکثرت مال و نعمت دے کر علم پڑھا ہے اور اس کا علم دین کی عزت اور دنیا کی ذلت کا موجب ہے اور ابو یوسف نے درویشی اور مسکینی دے کر علم پڑھا ہے اور اپنے علم کو عزت و منزلت کو ذریعہ بنایا ہے۔

اس لیے محمد بن حسن ان جیسے نہیں ہیں۔

تسلیم ورضا

اہلِ حقائق کے استاد حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں تھے وہ بغداد کے بازار میں کپڑا فروخت کرتے تھے جب بغداد کے بازار میں آگ لگ گئی تو لوگوں نے انھیں خبر دی کہ اُن کی دکان بھی جل گئی ہے۔ یہ سن کو انھوں نے فرمایا: میں اس کی فکر سے بھی آزاد ہو گیا، لیکن بعد میں لوگوں کو پتا چلا کہ اُن کی دکان نہیں جلی بلکہ اس کے آس پاس کی تمام دکانیں جل گئی تھیں، جب حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے دکان کو سلامت دیکھا تو جو کچھ تھا سب فقراء میں تقسیم کر دیا اور تصوف کی راہ اختیار کر لی۔

لوگوں نے ان سے ان کی ابتدائی حالت کے بارے مین دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا، ایک دن سیّدنا حبیب راعی میری دکان کے سامنے سے گزرے، میں نے روٹی کا ٹکڑا انھیں دیا جو عام فقیروں کو دیا جاتا ہے۔ انھوں نے دعا دی۔ اللہ تعالیٰ تجھے خیر کی توفیق دے جب سے میرے کانوں نے یہ دُعا سُنی ہے میں دنیاوی مال سے بیزار ہو گیا اور اس سے نجات پانے کی کوشش شروع کر دی۔

شہر کا آقا

حضرت ابو علی شفیق ابراہیم ازدی رحمۃ اللہ علیہ ایک سال بلخ میں تھے کہ وہاں زبردست قحط پڑا۔ لوگ ایک دوسرے کو کھانے لگے، تمام مسلمان غمگین تھے لیکن ایک غلام بازار میں بے تحاشا ہنستا تھا اور خوشی منا رہا تھا۔ لوگوں نے کہا، کیوں ہنستے ہو، شرم نہیں آتی کہ تمام مسلمان تو غمگین ہیں اور تُو خوشی منا رہا ہے۔ اس نے کہا، مجھے کوئی غم

نہیں میں اس کا بندہ ہوں جو اس شہر کا مالک ہے۔ اس نے میرے دل سے ہر مشغولیت کو نکال دیا ہے۔ اس وقت حضرت شقیق نے فرمایا۔ ''اے خدا! یہ غلام جس کا آقا ایک شہر کا مالک ہے وہ اس قدر خوش ہے مگر تُو تو مالک الملک ہے۔ ہماری روزی اپنے ذمہ کرم میں لے رکھی ہے۔ ایک ہم ہیں کہ ہم نے غم وفکر اپنے دل کو لگا رکھے ہیں۔ حضرت شقیق نے اسی وقت دنیاوی مشغولیتوں سے تائب ہو کر راہِ حق اختیار کی اور کبھی روزی کا فکر وغم نہ رکھا اور ہمیشہ یہ کہتے رہے۔ میں اس غلام کا شاگرد ہوں اور جو کچھ میں نے پایا ہے اسی سے پایا ہے۔

عارف باللہ

حضرت احمد ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رات تنہائی میں نماز پڑھی اور انھیں اس میں بے حد راحت وقرار حاصل ہوا۔ اس کا تذکرہ انھوں نے دوسرے روز حضرت ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ سے کیا۔ انھوں نے فرمایا: ''اے احمد! تو ابھی کمزور ہے کیونکہ ابھی تک تیرے دل میں لوگوں کا خیال موجود ہے کہ خلوت میں تیری حالت اور ہوتی ہے اور ظاہر میں کچھ اور۔ حالانکہ دونوں حالتوں میں کچھ فرق نہیں ہونا چاہیے تا کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے دُوری اور حجاب کا موجب نہ بنے، جس طرح دُلہا کا مجمع عام میں جلوہ کرایا جاتا ہے تا کہ ہر خاص وعام اسے دیکھے۔ اس نمائش میں اولیاء کی عزت افزائی ہوتی ہے۔ یہی حال عارف باللہ کا ہے لیکن اسے یہ جائز نہیں کہ اپنے مقصود حقیقی کے سوا کسی اور طرف نظر اُٹھائے۔

اوتاد، اولیاء اور ابرار

حضرت ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے بزرگوں

میں سے تمام علوم کے امام ہیں۔ ایک بزرگ بیان فرماتے ہیں ایک رات رسول اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا، یا رسول اللہ! حضور کی ایک روایت مجھ تک پہنچی ہے کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کے اوتاد، اولیاء اور ابرار ہیں۔ حضور نے فرمایا:

اس راوی نے میری یہ حدیث تم تک صحیح پہنچائی ہے۔

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! پھر تو مجھے ان میں سے کسی کو دکھایا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! ''محمد بن ادریس ان میں سے ایک ہیں۔''

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابو محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ورع، تقویٰ اور حدیث نبوی ﷺ کے حافظ ہونے میں مخصوص ہیں۔ جب بغداد میں معتزلہ کا غلبہ وتسلط ہوا تو وہ کہنے لگے کہ حضرت حنبل کو اتنی اذیت دینی چاہیئے کہ وہ قرآن کو مخلوق کہنے پر مجبور ہو جائیں بوڑھے اور کمزور ہونے کے باوجود ان کے ہاتھوں کو کندھوں سے کھینچا گیا اور باندھا گیا اور پھر ایک ہزار کوڑے ان کے جسم پر مارے گئے تا کہ وہ قرآن کو مخلوق کہہ دیں لیکن انھوں نے ہرگز یہ کہنا گوارا نہ فرمایا۔ اس دوران آپ کو ازار بند کھل گیا چونکہ آپ کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے ایک غیبی ہاتھ ظاہر ہوا اور آپ کے ازار بند کو باندھ دیا۔ مخالفوں نے جب آپ کی یہ حقانیت دیکھی تو آپ کو چھوڑ دیا لیکن کوڑوں کے زخموں سے آپ کا وصال ہو گیا۔ آخری وقت میں ایک گروہ نے آپ سے دریافت کیا۔ ایسی قوم کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جس نے آپ کو کوڑے مارے۔

انھوں نے فرمایا۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ انھوں نے خدا کی راہ میں اس گمان پر کوڑے مارے ہیں کہ (معاذ اللہ) میں باطل پر ہوں اور وہ حق پر ہیں۔ میں محض اپنے زخمی ہونے پر قیامت کے دن ان سے جھگڑا نہیں کروں گا۔

راہِ حق کے راہبر

حضرت ابو حامد احمد بن خضرویہ بلخی رحمۃ اللہ علیہ ملامت کی روش پسند کرتے تھے اور فوجی وردی پہنتے تھے۔ اُن کی بیوی فاطمہ کو طریقت میں بلند مقام حاصل تھا۔ وہ بلخ کے حاکم کی بیٹی تھیں جب انھیں توبہ کی توفیق نصیب ہوئی تو کسی کو احمد بن خضرویہ کے پاس بھیجا کہ وہ اپنا پیام میرے والد کو بھیجے لیکن انھوں نے اسے منظور نہ کیا۔ دوبارہ پھر کسی کو بھیجا اور کہلوایا کہ اے احمد! میں تجھے اس سے زیادہ مرد جانتی تھی کہ تو ایک عورت کا راہِ حق میں راہبر بنے نہ راہزن ہو۔ چنانچہ احمد نے کسی کو بھیجا اور اسے اسکے والد سے مانگا۔ اس کے والد نے بطور تبرک اپنی بیٹی اُن کے حوالے کردی۔ فاطمہ نے دنیاوی مشاغل ترک کر کے احمد کے ساتھ گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ جس وقت احمد خضرویہ حضرت بایزید رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت کیلئے گئے تو فاطمہ نے ان کی موافقت کی، جب بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچی تو چہرہ سے نقاب اٹھا کر گستاخانہ کلام شروع کر دیا۔ احمد کو اس کی حرکت پر بے حد تعجب ہوا اور مارے غیرت کے فرمانے لگے۔

اے فاطمہ! یہ کیسی گستاخی ہے؟ تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ تم بایزید سے ہمکلام ہو۔ فاطمہ نے کہا: اس لیے کہ تم میری طبیعت کے محرم ہو اور بایزید میری طریقت کے محرم ہیں۔ میں تم سے اپنی خواہش سے رسم وراہ رکھتی ہوں اور ان سے خدا کیلئے۔

فاطمہ حضرت بایزید کے ساتھ ہمیشہ شوخی سے پیش آتی رہی۔ یہاں تک کہ ایک روز بایزید نے جب آنکھ اٹھائی تو اس کے ہاتھوں کو حنا میں رنگ آلود دیکھا اور فرمایا تم نے اپنے ہاتھوں میں مہندی کیوں لگائی ہے۔

فاطمہ نے کہا: اے بایزید! جب تک تم نے میرے ہاتھوں اور اس کی مہندی کو نہ دیکھا تھا میں تم سے خوش تھی۔ اب جبکہ تم نے مجھ پر نظر اٹھائی ہے تو اب تمھاری صحبت

مجھ پر حرام ہوگئی ہے۔ اس کے بعد احمد اور فاطمہ نیشاپور میں مقیم ہو گئے اور جب یحییٰ بن معاذ رازی نیشاپور آئے اور وہاں سے بلخ جانے لگے تو احمد نے چاہا کہ ان کی دعوت کریں۔ انھوں نے فاطمہ سے مشورہ کیا کہ یحییٰ کی دعوت میں کیا ہونا چاہیئے؟ فاطمہ نے کہا: بہت ساری گائیں بھیڑیں ضروری چیزیں، مصالحہ کچھ موم بتیاں اور عطر و خوشبو کے علاوہ بیس گدھے بھی درکار ہیں تا کہ انھیں ذبح کریں۔

احمد نے کہا: گدھوں کو ذبح کرنے کی کیا وجہ ہے؟ فاطمہ نے جواب دیا۔ جب کوئی کریم کسی کریم کے گھر مہمان ہوتا ہے تو محلے کے کتوں کو بھی اس کی خبر ہو جاتی ہے۔

ایک درویش نے ماہِ رمضان میں کسی امیر کی دعوت کی، حالانکہ اس کے گھر میں صرف ایک روٹی تھی اور وہ بھی سُوکھی ہوئی، جب امیر درویش کے ہاں سے گیا تو اُس نے درویش کو اشرفیوں کی ایک تھیلی بھجوائی، درویش نے اشرفیوں کی تھیلی اسی وقت واپس کر دی اور کہا۔

یہ اس کی سزا ہے جو اپنے بھید کو اپنے جیسوں پر کھولتا ہے۔

حضرت ابو تراب عسکر بن الحسین رحمۃ اللہ علیہ خراسان کے بزرگ ترین مشائخ اور معروف جواں مردوں میں سے تھے۔ ان کا زہد و تقویٰ معروف تھا۔ جنگلوں میں تنہا رہتے تھے۔ ان کی وفات بھی بصرہ کے جنگل میں ہوئی۔ چند سالوں بعد جب فقراء کی ایک جماعت کا گُزران کے پاس سے ہوا تو اُن کو رُو بقبلہ کھڑے ہوئے مردہ پایا۔ جسم سُوکھ چکا تھا، لوٹا آگے رکھا ہوا تھا اور عصا ہاتھ میں تھا اور کوئی درندہ اُن کے پاس نہیں پہنچا تھا، نہ ہی کسی کے پاؤں کا نشان تھا۔

حضرت ابو حفص عمر بن سالم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ صوفیائے کرام کے بزرگ و سردار تھے۔ ابتداء میں ایک لونڈی پر یہ فریفتہ ہو گئے۔ لوگوں نے انھیں بتایا کہ نیشاپور کے شہر میں ایک یہودی جادوگر ہے اس کا وہ علاج و مداوا کر سکتا ہے۔ ابو حفص

اس کے پاس گئے اور اپنا حال بیان کیا۔ یہودی نے کہا: اے ابو حفص! علاج کے لئے تمھیں چالیس دن نماز چھوڑنی ہوگی اور اس دوران کوئی ذکرِ خدا، عمل خیر اور کوئی نیک خیال زبان و دل پر نہ لانا ہوگا تا کہ میں افسوں کروں اور تمہاری مراد بر آئے چنانچہ چالیس دن گزر گئے۔ یہودی نے طلسم اور افسوں کیا لیکن ان کی مراد پوری نہ ہوئی۔

یہودی نے کہا: یقیناً تجھ سے کوئی نیک عمل ہوا ہے۔

ابو حفص نے کہا: میں نے تو کوئی نیکی نہیں کی اور نہ کوئی ظاہر و باطن میں عمل کیا البتہ ایک دن کا ذکر ہے کہ راستہ میں ایک پتھر پڑا دیکھا۔ اُسے اس خیال سے پرے ہٹا دیا کہ کسی کو ٹھوکر نہ لگ جائے۔

یہودی نے کہا: حیف ہے تجھ پر کہ تو نے چالیس دن تک اس کے حکم کی نافرمانی کی اور اسے ضائع کر دیا مگر خدا نے تیری اتنی سی تکلیف بھی دُور نہ کی۔

اس پر ابو حفص نے توبہ کی اور اسی وقت یہودی بھی مسلمان ہو گیا۔

ابو حفص کا پیشہ آہن گری تھا جب باورد پہنچے تو ابو عبد اللہ باوردی سے ملاقات کی۔ انھوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ جب وہ نیشاپور واپس آئے تو ایک دن بازار میں ایک اندھے کو قرآن کریم کی تلاوت کرتے دیکھا۔ وہ اپنی دکان پر بیٹھ کر اس کی تلاوت سننے لگے اور اتنے محو ہو گئے کہ اپنے آپ میں نہ رہے، اپنے ہاتھ کو آگ میں ڈالا اور بغیر چمٹے کے گرم لوہے کو بھٹی سے نکال لیا۔ جب شاگردوں نے اُستاد کی یہ محویت دیکھی تو اُن کے ہوش اڑ گئے۔ ابو حفص کی محویت ختم ہوئی تو اس پیشہ اور کسبِ معاش سے ہاتھ اٹھا لیا اور پھر کبھی دکان پر نہ آئے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے اور مرید تھے۔ ایک روز حضرت سری سقطی سے لوگوں نے پوچھا۔

کیا کسی مرید کا اپنے پیر سے زیادہ بلند درجہ ہو سکتا ہے۔

حضور سری سقطی نے فرمایا۔ ہاں اور اس کا ثبوت ظاہر ہے کہ حضرت جنید کا درجہ مرے درجہ سے بلند ہے۔

حضرت سری سقطی کی زندگی میں مریدوں نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ اے شیخ! ہمیں کوئی ایسی بات بتایئے جس سے ہمارے دل کو سکون وراحت نصیب ہو، لیکن انہوں نے قبول نہ کیا اور فرمایا:

جب تک میرے شیخ موجود ہیں میں مسند ارشاد نہیں سنبھالوں گا۔ یہاں تک کہ ایک رات خواب میں رسول اللہ ﷺ کا دیدار نصیب ہوا اور حضور نے فرمایا:

"اے جنید! لوگوں کو حق کیوں نہیں بتاتے تاکہ اللہ تعالیٰ تمھاری باتوں کے ذریعہ ایک عالم کی نجات فرمائیں۔"

حضرت جنید جب پیدا ہوئے تو ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ میرا درجہ میرے شیخ کے درجہ میں شامل ہو گیا ہے اور مجھے نبی کریم ﷺ نے امر دعوت وارشاد فرمایا ہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت سری سقطی نے ایک مرید کو بھیجا کہ جب حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فجر کی نماز کا سلام پھیریں تو ان سے کہنا کہ تم نے مریدوں کے کہنے سے تبلیغ و ارشاد شروع نہ کیا اور نہ بغداد کے مشائخ کی سفارش قبول کی۔ سب کی درخواستوں کو رد کرتے رہے۔ میرا یہ پیغام بھی پہنچا اور پھر بھی تبلیغ وتعلیم شروع نہ کی۔ اب رسول اللہ ﷺ کا حکم بھی ہو چکا ہے، اب تو اسے بجالاؤ۔

حضرت جنید فرماتے ہیں کہ میں نے جانا کہ میرا شیخ میرے دل کے اسرار سے بخوبی واقف ہے اور وہ میری ظاہری و باطنی حالت سے بھی باخبر ہے ان کا درجہ مجھ سے بلند ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اسی وقت حضرت سری سقطی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور توبہ واستغفار کی اور دریافت کیا۔

آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں نے خواب میں حضور کا دیدار کیا ہے۔ حضرت سری

سقطی نے فرمایا۔ میں نے خواب میں رب العزت کو دیکھا اُنھوں نے مجھ سے فرمایا۔ میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو جنید کے پاس بھیجا ہے کہ وہ لوگوں کو درس وہدایت دیں تاکہ بغداد کے لوگوں کی مراد ان سے پوری ہو۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک وقت یہ خواہش پیدا ہوئی کہ شیطان کو دیکھوں۔ ایک دن مسجد کے دروازے میں کھڑا تھا کہ دُور سے ایک بوڑھا آتا ہوا دکھائی دیا۔ جب اس کا چہرہ میرے سامنے آیا تو میں نے اُس سے کہا:

''اے بوڑھے! تُو کون ہے؟ کہ وحشت سے مری آنکھیں تمھیں دیکھ نہیں سکتیں اور خوف سے تیرے خیال کی دل میں طاقت نہیں پاتا۔''

اُس نے کہا: ''میں وہی ہوں جس کو تُو نے دیکھنے کی خواہش کی تھی۔''

میں نے کہا: ''اے ملعون! حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے تمھیں کس چیز نے روکا تھا؟

شیطان نے جواب دیا: ''اے جنید! تمھارا کیا خیال ہے کہ میں غیر خدا کو سجدہ کروں؟''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس کی یہ بات سن کر حیرت زدہ رہ گیا۔ اتنے میں غیب سے آواز آئی:

اے جنید! اس سے کہو کہ جھوٹا ہے، اگر تُو فرماں بردار ہوتا تو اس کے حکم اور اس کی ممانعت کی خلاف ورزی کیوں کرتا۔ شیطان نے میرے دل سے اس آواز کو سُنا تو چیخا اور کہا۔ خدا کی قسم تُو نے مجھے جلا دیا ہے اور غائب ہو گیا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید کچھ آزردہ دل ہوا اور گمان کیا کہ وہ کس درجہ پر پہنچ گیا ہے، وہ یہ گمان کر کے حلقہ ارشاد سے نکل گیا۔ پھر ایک دن اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ ان کا تجربہ کرے جبکہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ اپنی روحانی

عظمت سے اس مرید کے مقصد کو دیکھ رہے تھے۔ مرید نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک سوال کیا۔

اُنھوں نے فرمایا۔ اُس کا جواب لفظوں میں چاہتے ہو یا معنوں میں۔

اس نے کہا دونوں میں۔

اس پر حضرت جنید نے فرمایا۔ اگر لفظوں میں چاہتا ہے تو تم نے تجربہ کرلیا ہے اور میرے تجربے کی تمھیں ضرورت نہیں حالانکہ تو یہاں تجربے کے لیے آیا تھا اور اگر معنوں میں جواب چاہتا ہے تو تمھیں مَیں اسی وقت ولایت سے معزول کرتا ہوں، حضرت جنید کا یہ فرمانا تھا کہ مرید کا چہرہ سیاہ ہوگیا اور کہنے لگا۔

یقین کی راحت میرے دل سے غائب ہوگئی ہے، اتنا کہہ کر وہ استغفار میں مشغول ہوگیا اور فضول باتوں سے توبہ کرنے لگا۔ اس وقت حضرت جنید نے اس سے فرمایا: اے تو نہیں جانتا کہ اولیاء اللہ اسرار کے والی اور حاکم ہیں، تو اُن کے زخموں کی تاب نہیں لا سکتا۔ حضرت جنید نے اس پر دم کیا کہ وہ دوبارہ اپنی مراد سے ہمکنار ہوگیا اور اُس نے مرشدوں کے بارے میں عیب جوئی سے توبہ کرلی۔

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حکایت ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے تین راتیں اپنے گھر میں کھڑے ہوکر شور وغل مچایا۔ لوگوں نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے کہا۔ وہ اسی وقت تشریف لائے اور فرمایا۔

اے ابوالحسن! اگر تمھیں یقین ہے کہ شور وغل میں کوئی بھلائی ہے۔ تو بتاؤ تا کہ میں بھی شور وغل کروں اور اگر تم جانتے ہو کہ اس شور وغل میں کوئی بھلائی نہیں ہے تو دل کو رضائے الٰہی کے حوالہ کردینا چاہیئے تا کہ تمھارا دل خوش وخرم ہو، یہ سُنتے ہی نوری رحمۃ اللہ علیہ باز آگئے اور کہنے لگے۔

اے ابوالقاسم! آپ کیسے اچھے ہمارے اُستاد اور رہنما ہیں۔

حضرت ابوعثمان سعید بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بچپن میں ہی میرا دل حقیقت کی تلاش میں کھو گیا تھا۔ اہل ظاہر سے میں مطمئن نہ تھا اور جانتا تھا کہ عام لوگ جس ظاہری شرعی حالت میں ہیں۔ یقیناً اس کے سوا بھی کوئی باطنی حالت ہے۔ یہاں تک کہ میں بالغ ہو گیا اور ایک روز حضرت یحیٰی بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں پہنچا تو مجھے وہاں میرا باطنی مقصد حاصل ہو گیا چنانچہ میں نے ان کی صحبت اختیار کر لی یہاں تک کہ ایک جماعت شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سے وہاں آئی اُن سے میں نے حضرت شاہ شجاع کرمانی کی باتیں سنیں تو میرا دل اُن کی زیارت کے لیے بے تاب ہو گیا اور مقام رے سے کرمان جانے کا عزم کیا، میری یہ زبردست خواہش تھی کہ کسی طرح شاہ شجاع کی صحبت میسّر آجائے مگر انھوں نے اجازت نہ دی اور فرمایا۔

تم مقام رجا کے پروردہ اور صحبت یافتہ ہو کیونکہ حضرت یحیٰی بن معاذ کی صحبت میں رہے ہو وہ مقام رجا پر فائز ہیں اور جسے مشرب رجا مل جائے وہ طریقت پر قائم نہیں رہ سکتا اس لیے کہ رجا کی تقلید سے کاہلی اور سستی آجاتی ہے میں نے بہت منت سماجت کی اور بیس روز تک اُن کے در پر بیٹھا رہا۔ اس کے بعد کہیں اجازت ملی اور ایک طویل عصہ تک ان کی صحبت میں رہا۔ وہ ایک مردِ غیور تھے یہاں تک کہ انھوں نے حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے نیشاپور کا ارادہ کیا تو میں بھی اُن کے ساتھ ہولیا۔ جب ہم ابوحفص کے ہاں پہنچے تو شاہ شجاع قبا پہنے ہوئے تھے ابوحفص نے انھیں دیکھا تو کھڑے ہو گئے تو استقبال کے لیے آگے بڑھے فرمایا۔ جسے میں گدڑی میں دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ قبا میں ملبوس ہے۔

حضرت ابوحفص کے ہاں ایک عرصہ تک رہے اور میں اُن کے اسرار جاننے کی جستجو میں لگا رہا لیکن شاہ کا دبدبہ اور خدمت کا خیال درمیان میں رکاوٹ بنا رہا۔

حضرت ابو حفص میری دلی خواہش سے واقف تھے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتا تھا کہ مجھے حضرت ابو حفص کی صحبت اس طرح میسر آ جائے کہ شاہ شجاع بھی محسوس نہ کریں۔ آخر کار جب شاہ شجاع نے واپسی کا پروگرام بنایا تو میں نے بھی سامان سفر کا انتظام کر لیا حالانکہ میرا دل ابو حفص ہی کے ہاں ٹھہرنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔

حضرت ابو حفص نے شاہ شجاع سے فرمایا:

اس بچے کو خوش دلی کے ساتھ یہاں چھوڑ جائیں کیونکہ اس میں میری بھی خوشی ہے۔ شاہ شجاع نے یہ سُن کر میری طرف دیکھا اور کہا۔

شیخ کی بات مانو اور شاہ شجاع مجھے ابو حفص کے پاس چھوڑ کر روانہ ہو گئے میں وہیں رہا اور ان کے حلقۂ ارشاد میں میں نے بڑے بڑے عجائب دیکھے۔ ابو حفص مجھ سے انتہائی شفقت سے پیش آئے تھے۔

حضرت ابو عبد اللہ احمد بن یحییٰ بن جلال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے ایک خوبصورت مجوسی لڑکے کو دیکھا۔ اس کا حسن و جمال دیکھ کر میں دم بخود ہو گیا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ میرے قریب سے گزرے تو میں نے ان سے عرض کیا۔

اے اُستاد! اللہ تعالیٰ ایسے چہرے کو دوزخ میں جلائے گا؟

حضرت جنید نے فرمایا: ''عزیز بیٹے! یہ سب نفس کا کھیل ہے جو تجھے لاحق ہوا ہے نہ کہ یہ نظارہ عبرت ہے کیونکہ اگر تو عبرت سے دیکھے تو عالم کے ہر ذرے میں ایسا ہی عجوبہ پائے گا لیکن بہت جلد تمھیں اس فعل الٰہی کی بے حرمتی پر عذاب دیا جائے گا۔

جب حضرت جنید مُنہ پھیر کر میرے پاس سے گزر گئے تو اسی وقت میرے حافظہ سے قرآن پاک فراموش ہو گیا۔ یہاں تک کہ برسوں میں نے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی اور توبہ کی تو پھر کہیں قرآن کی نعمت دوبارہ مجھے حاصل ہوئی۔

حضرت ابوالحسن سمنون بن عبداللہ خواص رحمہ اللہ اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے اور محبت میں ان کا مرتبہ بلند ہے۔ انھوں نے خلیفہ کے ایک معتمد غلام الخلیل کے ہاتھوں بڑی اذیت اٹھائی۔ وہ ایک ریاکار شخص تھا جو پارسا اور صوفی ہونے کا مدعی تھا اور خود کو بادشاہوں کا مقرب، نائب اور خلیفہ ظاہر کرتا تھا۔ اس نے خلیفہ وقت کے سامنے صفیہ کے خلاف ناممکن و محال گواہیاں پیش کیں جس سے تمام صوفیہ آزردہ ہو گئے۔ حضرت سمنون اور ان کے مرشدوں کے زمانہ میں صرف یہی ایک شخص بدخصلت تھا جب حضرت سمنون کا مرتبہ بغداد میں بلند ہوا اور ہر کوئی اُن کی قربت کا آرزومند ہوا تو غلام الخلیل کو اس سے بڑا رنج پہنچا۔ اس کی کئی من گھڑت باتیں مشہور کیں جن میں ایک یہ بھی ہے کہ اس نے ایک خوبصورت عورت کو حضرت سمنون کی نظر اس کے جمال پر پڑی تو عورت نے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ حضرت سمنون نے انھیں بُری طرح جھڑک دیا۔ وہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچی اور کہا:

آپ حضرت سمنون کو سمجھائیں کہ وہ مجھ سے نکاح کر لیں۔

حضرت جنید کو اس کی یہ خواہش بُری لگی اور اسے اپنے آستانے سے باہر نکال دیا۔ پھر وہ غلام الخلیل کے پاس آئی اور اس نے ان عورتوں کی طرح جو اُن کی خواہش پوری نہ کرے ان پر الزام تراشی کرنے لگتی ہیں، حضرت سمنون پر تہمت لگائی۔ غلام الخلیل نے اس عورت کی گواہی پر خلیفہ وقت کو صوفیہ سے اتنا برگشتہ کر دیا کہ اس نے حضرت سمنون کے قتل کا حکم صادر کر دیا۔ چنانچہ حضرت سمنون کو مقتل میں لے جایا گیا۔ جب جلاد نے خلیفہ سے قتل کی اجازت مانگی اور خلیفہ نے اجازت دینا چاہی تو اس کی زبان بند ہو گئی اور قتل ملتوی کر دیا گیا۔ رات کو خلیفہ نے خواب میں دیکھا اور کسی نے اس سے کہا تیرے ملک و حکومت کا زوال حضرت سمنون رحمتہ اللہ علیہ کے زوال سے وابستہ ہے دوسرے دن خلیفہ نے حضرت سمنون سے معافی مانگی اور اُن کے ساتھ

بھلائی سے پیش آیا۔

حقیقت و محبت میں حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بلند اور اشارات دقیق ہیں۔ ایک مرتبہ حجاز سے آ رہے تھے کہ شہر فیہ میں لوگوں نے ان سے درخواست کی کہ وہ منبر پر تشریف لائیں اور وعظ فرمائیں۔ انھوں نے منبر پر کھڑے ہو کر وعظ فرمایا۔ کسی نے توجہ نہ دی تو انھوں نے اپنا رُخ مسجد کی قندیلوں کی طرف کر کے فرمایا: اے قندیلو! میں تم سے مخاطب ہوں۔

قندیلیں اسی وقت گر کر ٹوٹ گئیں۔

مردانِ خدا

حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ اصول میں امام وقت تھے اور جب وہ اصفہان سے آئے تو ایک نوجوان اُن کے حلقہ میں شامل ہو گیا لیکن اس کے والدین اسے منع کرتے تھے۔ اسی غم میں وہ بیمار پڑ گیا اور عرصہ تک حضرت عمرو بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ میں نہ آیا۔ کسی نے اس کی بیماری کی اطلاع دی تو حضرت اس کی بیمار پُرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ نوجوان نے اشارہ کیا کہ کسی قوال کو بُلا کر چند اشعار سنوایے چنانچہ قوال بلائے گئے۔ انہوں نے ایک شعر پڑھا کہ:

مجھے کیا ہوا کہ میں بیمار ہوں تو کوئی تم سے تیری بیمار پُرسی نہیں کرتا اور جب تم بیمار ہوتے تو میں بیمار پُرسی کرتا ہوں۔

نوجوان بیمار نے یہ شعر سُنا تو اُٹھ کر بیٹھ گیا اور بیماری کی شدت بھی کم ہو گئی اور کہنے لگا۔ اے قوال کوئی اور شعر سنا۔ قوال نے یہ شعر پڑھا:

مجھ پر تمھارے حضور حاضری سے بندش اپنے مرض سے زیادہ سخت ہے اور تمھارے حضور خود کو حاضری سے روکنا میرے لیے بہت دشوار ہے۔

بیمار نوجوان کھڑا ہو گیا اور اس کی ساری بیماری جاتی رہی۔ پھر اس کے باپ نے اسے حضرت عمرو کے سپرد کر دیا۔ ان کی طرف سے دل میں جو اندیشہ تھا۔ اس کی معذرت چاہی اور توبہ کی۔

حضرت ابوبکر محمد بن دراق رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے ایک کتاب کے چند جز دیے کہ میں انھیں دریائے جیحوں میں ڈال دوں، میرے دل نے یہ نہ چاہا، کتاب کو گھر میں رکھا اور حاضر ہو کر کہا کہ میں نے دریا میں ڈال دیے ہیں۔ انھوں نے دریافت فرمایا تم نے کیا دیکھا؟

میں نے عرض کیا میں نے کچھ نہیں دیکھا۔

فرمانے لگے، تم نے انھیں دریا بُرد نہیں کیا۔ جاؤ اور اسے دریا بُرد کر کے آؤ۔ میں پھر گھر واپس آیا اور میرا دل وسوسوں میں گھر گیا۔ میں نے جُز اٹھائے اور دریا میں ڈال دیا۔ دریا کا پانی اسی وقت پھٹ گیا اور اس میں سے ایک صندوق برآمد ہوا جس کا ڈھکنا کھلا ہوا تھا جب یہ جُز صندوق میں چلے گئے تو اس کا ڈھکنا خود بخود بند ہو گیا۔ صندوق بھی نیچے پانی میں چلا گیا۔ میں نے واپس آ کر یہ واقعہ بیان کر دیا۔ حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''اب تم نے جُز دریا میں ڈالے ہیں۔''

میں نے عرض کیا۔ ''یا شیخ! یہ کیا بھید ہے؟''

انھوں نے فرمایا۔ میں نے اصول و تحقیق پر ایک کتاب لکھی تھی جس کا سمجھنا عقل سے باہر تھا۔ میرے بھائی خضر علیہ السلام نے اسے مجھ سے مانگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پانی کو حکم دیا تھا کہ وہ یہ کتاب خضر علیہ السلام تک پہنچا دے۔

حضرت ابوالحسن محمد بن اسماعیل خیر النساج رحمۃ اللہ علیہ کو خیر النساج اس لیے کہا جاتا ہے کہ اپنے شہر سے حج کرنے کے لیے نکلے اور کوفہ سے اُن کا گزر ہوا تو شہر پناہ کے دروازہ پر انھیں ایک ریشم بننے والے نے پکڑ لیا اور کہا تو تو میرا غلام ہے اور خیر تیرا

نام ہے۔ حضرت محمد بن اسماعیل نے حق سے دیکھا اور اس کے دعویٰ کی تردید نہ کی اور سالہا سال تک اس کے ساتھ کام کرتے رہے۔ وہ اُسے خیر کے نام سے پکارتا اور کہتا، اے خیر! تو حضرت محمد بن اسماعیل جواب دیتے، حاضر ہوں۔

آخر ایک روز اس شخص کو احساس ہوا کہ وہ اُنھیں غلط طور پر اپنا غلام سمجھ کر کام لیتا رہا ہے، وہ شرمسار ہوا اور ان سے کہا، میں نے غلط کیا ہے تو میرا غلام نہیں ہے۔ حضرت محمد بن اسماعیل وہاں سے چل دیے اور مکہ مکرمہ پہنچے اور اس درجہ تک رسائی پائی کہ حضرت جنید فرماتے ہیں، ہمارا خیر بہت اچھا ہے۔

جب حضرت ابوالحسن محمد بن اسمٰعیل خیر النساج رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو شام کی نماز کا وقت تھا۔ مدت کی بیہوشی میں آنکھ کھولی تو ملک الموت کے سوا کچھ نظر نہ آیا اور فرمایا:

اے ملک الموت! ٹھہر جا۔ اللہ تجھے معاف کرے، یقیناً تم بھی بندہ فرمانبردار ہو۔ تجھے جو حکم دیا گیا ہے تو اُسے ٹال نہیں سکتا اور جو مجھے حکم دیا گیا ہے، میں بھی اسے ٹال نہیں سکتا، شام کی نماز چھوڑ نہیں سکتا۔ لہٰذا مجھے مہلت دے کہ میں فرمان الٰہی بجا لاؤں۔ پھر تمھیں حق ہے کہ فرمانِ الٰہی بجالاؤ۔

اس کے بعد انھوں نے پانی طلب فرمایا۔ وضو کیا نماز ادا کی اور جان دے دی۔

اسی رات لوگوں نے ان سے خواب میں پوچھا۔

بتاؤ خدا نے تمھارے ساتھ کیا کیا؟

فرمایا: اس سوال کو تم مجھ سے نہ پوچھو لیکن میں نے تمھاری دنیا سے رہائی پالی۔

حضرت ابوحمزہ خراسانی رحمۃ اللہ علیہ ایک روز کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک کنوئیں میں گر گئے اور تین دن تک کنوئیں میں پڑے رہے، چوتھے روز ایک قافلہ آیا اور قافلے والوں نے کنوئیں کے پاس ہی ڈیرہ لگا لیا۔ حضرت ابوحمزہ نے سوچا

کیوں نہ میں آواز دوں تاکہ قافلے والے نکال لیں لیکن پھر خیال آیا یہ اچھی بات نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا مدد مانگ رہا ہوں یہ شکایت ہوگی اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں ان سے کہہ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کنویں میں گرایا ہے، اب تم مجھے نکالو، اتفاق سے قافلے والے کنوئیں کے اوپر آئے اور کنوئیں میں جھانکنے لگے اور کہنے لگے کہ راستے میں یہ کنواں ہے نہ کوئی روک ہے نہ منڈیر ہے ممکن ہے کوئی بے خبر یا باخبر اس میں گر پڑے۔ لہٰذا بغرض ثواب اس کا منہ بند کر دینا ہی چاہیئے تاکہ کوئی اس میں گر نہ جائے۔

حضرت ابوحمزہ فرماتے ہیں کہ میں یہ سن کر دل میں بہت پریشان ہوا اور اپنی زندگی سے مایوس ہوگیا۔ جب قافلہ والوں نے کنوئیں کے منہ کو بند کر دیا، زمین ہموار کر دی اور چلے گئے تو میں خدا سے دعائیں مانگنے لگا اور میرا دل موت کے خیال سے ڈوبنے لگا کیونکہ میں مایوس ہو چکا تھا، جب رات آئی تو کنوئیں کے، منہ پر کچھ حرکت سنائی دی۔ میں نے اچھی طرح دیکھا تو کوئی چیز دہانہ کے اوپر سرک رہی ہے جیسے دہانہ کے سرے کو کھول رہی ہے۔ پھر مجھے ایک اژدہا نظر آیا جس نے اپنی دُم کنویں کے اندر لٹکا دی اسی وقت میں جان گیا کہ میری نجات اسی کے ذریعہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ میں اس کی دُم سے لٹک گیا اور پھر اس نے مجھے اوپر کھینچ لیا۔ اسی وقت غیب سے آواز آئی۔

"اے ابوحمزہ! کیسی اچھی تمھاری نجات ہے کہ جان لینے کے ذریعے تمھیں نجات دلائی گئی ہے۔"

حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص مرید اور حضرت منصور حلاج کے دوست۔ ایک روز بازار میں گزر رہے تھے کہ کسی نے کہا، یہ پاگل ہے۔

حضرت شبلی نے فرمایا ''میں تمھارے نزدیک دیوانہ ہوں اور تم میرے نزدیک ہوشیار ہو لہٰذا اللہ تعالیٰ میری دیوانگی کو اور زیادہ کرے اور تمھاری ہوشیاری کو اور بڑھائے۔''

حضرت ابو محمد جعفر روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کو سخت بخار تھا، میں نے عرض کیا۔

یا مرشد! اللہ تعالیٰ سے استدعا کریں کہ وہ صحت بخشے۔

حضرت جنید نے فرمایا۔ کل میں نے دُعا کی تھی۔ میرے سر میں آواز آئی۔ اے جنید! تمھارا جسم ہماری ملکیت ہے ہم چاہیں تو تندرست رکھیں اور چاہیں تو بیمار رکھیں، تم کون ہو کہ ہمارے درمیان اور ہماری ملکیت کے درمیان دخل دو۔ تم اپنا اختیار ختم کرو تاکہ تم بندے ہو جاؤ۔

حضرت ابو العباس قاسم بن مہدی سیاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں علوم ظاہر حقائق کے عالم تھے۔ علم و ریاست کے خاندان سے تھے۔ مرو کے عوام ان کے مرتبہ میں کسی دوسرے اہل خاندان کو ترجیح نہ دیتے تھے۔ انھوں نے اپنے والد کی میراث سے بہت مال و دولت حاصل کیا لیکن سب کچھ راہ خدا میں دے دیا۔ صرف رسول کریم ﷺ کے دو موئے مبارک رکھ لیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی برکت سے انھیں توبہ النصوح کی توفیق عطا فرمائی۔ حضرت ابو بکر واسطی کی صحبت میں رہ کر اس قدر درجہ کمال حاصل کیا کہ صوفیہ کے امام حنیف بن گئے جب دنیا سے جانے لگے تو وصیت فرمائی کہ ان موئے مبارک کو میرے منہ میں رکھ دیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور آج بھی مرو میں ان کے مزار کا نشان ظاہر و برقرار ہے۔ لوگ وہاں جا کر مرادیں مانگتے ہیں، حلِ مُشکلات کی دعائیں مانگتے ہیں اور پاتے ہیں۔ یہ آزمودہ ہے:۔

ایک بچہ اونٹ کی نکیل تھامے اور اس پر بوجھ لادے بازار میں سے گزر رہا تھا،

بازار میں اکثر کیچڑ رہتا تھا جس کی وجہ سے اچانک اونٹ کا پاؤں پھسلا اور وہ گر پڑا جس سے اس کا پاؤں ٹوٹ گیا۔ لوگوں نے آگے بڑھ کر اونٹ کا بوجھ اتارنا شروع کردیا لیکن بچہ ہاتھ اُٹھا کر دعائیں مانگ رہا تھا اور رو رہا تھا۔ حضرت ابوالعباس احمد بن قصاب کا اس طرف سے گزر ہوا اور لوگوں کا ہجوم دیکھ کر پوچھا یہاں کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اونٹ کا پاؤں ٹوٹ گیا۔ حضرت ابوالعباس احمد بن قصاب نے اونٹ کی نکیل پکڑی اور آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہا۔ اے خدا! اس اونٹ کا پاؤں درست کردے، اگر درست نہیں کرنا چاہتا ہے تو میرا دل اس بچے کے رونے سے کیوں جلاتا ہے۔ اسی وقت اونٹ اُٹھ کھڑا ہوا اور دوڑنے لگا۔

حضرت ابوعلی بن حسین بن محمد وقاق متاخرین ائمہ طریقت میں سے ہیں۔ محمد بن محمود نصر آبادی کے مرید تھے اور وعظ فرماتے تھے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں ان کی مجلس میں اس غرض سے گیا کہ ان سے متوکلوں کا حال دریافت کروں، وہ اس وقت طبری کا نفیس عمامہ سر پر باندھے ہوئے تھے۔ میرا دل اس عمامہ کی طرف مائل ہوگیا۔ میں نے عرض کیا۔

یا شیخ! توکل کیا ہے؟

فرمایا توکل یہ ہے کہ تم لوگوں کی دستار کا لالچ نہ کرو، اتنا فرما کر وہ عمامہ میرے سامنے رکھ دیا۔

حضرت ابوالحسن علی بن احمد فرقانی رحمۃ اللہ علیہ جلیل القدر مشائخ میں سے تھے اور شرفِ اہل زمانہ اُن کا لقب تھا۔ حضرت شیخ ابوسعید نے ان کی زیارت کا ارادہ کیا اور ان کے ساتھ اُنھوں نے ہر فن کے لطیف محاورے استعمال کیے۔ جب واپس جانے لگے تو فرمایا۔ میں تمھیں اپنے زمانہ کا صاحبِ ولایت بزرگ مانتا ہوں۔ حالانکہ شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے خادم تھے اور جب یہ شیخ اُن کے حضور میں آتے تو ان سے

کوئی اور بات نہ کرتا اور وہ ان کی باتیں سنتے رہتے، جواب میں کچھ نہ فرماتے۔

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت اُستاد ابو القاسم رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ جب میں فرقان کی ولایت میں داخل ہوا تو اس بزرگ کے دبدبہ سے میری فصاحت جاتی رہی اور میری عبارت آرائی مفقود ہوگئی اور میں نے خیال کیا کہ شاید میں اپنی ولایت سے معزول ہوگیا ہوں۔

حضرت محمد بن علی المعروف بہ داستانی رحمہ اللہ علیہ بسطام میں مقیم تھے۔ ایک مرتبہ بسطام میں ٹڈی دل کا حملہ ہوا اور تمام درخت و کھیتیاں ان کے حملہ سے سیاہ ہوگئیں لوگ غمزدہ ہوکر گھروں سے باہر نکل آئے۔ حضرت محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کا شور سُنا تو دریافت فرمایا۔

یہ کیا شوروغل ہے؟

مریدوں نے عرض کیا ٹڈی دل نے حملہ کر دیا ہے اور لوگ دل وفگار ہیں۔

حضرت محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ اُٹھے اور چھت پر آکر آسمان کی طرف منہ اُٹھایا اُسی وقت تمام ٹڈیاں اُٹھ گئیں اور ظہر کی نماز تک ایک بھی باقی نہ رہی اور ایک پتا تک ضائع نہ ہوا۔

حضرت ابوسعید فضل اللہ بن محمد مہنی رحمۃ اللہ علیہ سلطان وقت اور جمال طریقت تھے، ابتداء میں مہنہ سے تحصیل علم کے لیے سرخس آئے اور حضرت ابوعلی زاہد کی صحبت اختیار کی۔ وہ ان سے ایک دن میں تین دن کا سبق لیتے اور تین دن عبادت میں گزارتے۔ اس زمانہ میں سرخس کا حاکم شیخ ابوالفضل حسن تھا۔ ایک روز سرخس کی نہر کے کنارے جارہے تھے تو ابوالفضل حسن سامنے آگیا۔ کہنے لگا اے ابوسعید! تمھارا راستہ یہ نہیں ہے جس پر تم جارہے ہو، اپنی راہ چلو۔

انھوں نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ راستے سے ہٹ گئے اور ریاضت مجاہدہ

میں مشغول ہو گئے۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اعلیٰ درجہ پر پہنا دیا۔

حضرت شیخ ابو مسلم فارسی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی ہمیشہ چھیڑ چھاڑ رہتی تھی۔ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ ان کی زیارت کے ارادہ سے گیا۔ میں اس وقت میلی گڈری پہنے ہوئے تھا جب میں مکان میں داخل ہو کر اُن کے سامنے آیا تو انھیں دیبائے مصری پہنے تخت پر بیٹھے دیکھا۔ میں نے دل میں سوچا۔ ان علائق کے ساتھ یہ درویشی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور میں ان سب علائق سے مجرّد رہ کر درویشی کا دعویٰ کرتا ہوں، میری ان کے ساتھ کیسے موافقت ہو گی۔ وہ مرد خدا میرے اس دلی وسوسے سے آگاہ ہو گئے۔ سر اُٹھایا اور فرمانے لگے۔

''اے مسلم! تم نے کس کتاب میں پایا ہے کہ جس کا دل مشاہدہ حق میں قائم ہو اس پر نام فقر (مفلسی) لکھا ہو۔''

ایک مرتبہ حضرت ابوسعید فضل اللہ بن محمد مہنی نے نیشا پور سے مقامِ طوس جانے کا ارادہ کیا۔ وہاں ایک گھاٹی اتنی سرد تھی کہ موزہ میں ان کے پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے ایک درویش کو خیال آیا کہ میں اپنی چادر پھاڑ کر دو ٹکڑے کر کے ان کے پاؤں پر لپیٹ دوں مگر دل نے نہ چاہا کیونکہ یہ چادر بہت عمدہ تھی جب وہ طوس پہنچے تو ان کی مجلس میں اُسی درویش نے سوال کیا۔

یا شیخ! شیطانی وسوسے اور الہام حق کے درمیان کیا فرق ہے؟

انھوں نے فرمایا الہام وہ تھا جو تم پر ہوا کہ چادر کو دو ٹکڑے کر کے ابوسعید کے پاؤں پر لپیٹ دو تا کہ وہ سردی سے محفوظ رہیں اور شیطانی وسوسہ وہ تھا کہ تمھیں ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مُرشد حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ علم تفسیر و روایات کے عالم اور

تصوف میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مشرب پر تھے۔ ساٹھ سال صادق گوشہ نشینی اختیار کر کے پہاڑوں کے غاروں میں رہے اور لوگوں کے درمیان گم رہے۔ لکام نامی پہاڑ پر رہتے تھے اور عام صوفیوں کے رسم ولباس کے پابند نہ تھے۔

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ان کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہا تھا۔ وہ وضوفرما رہے تھے۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ تمام کام تقدیر وقسمت سے وابستہ ہیں تو آزاد لوگ کیوں کرامت کی خواہش میں پیروی کے غلام بنتے ہیں، آپ نے فرمایا:۔

اے میرے فرزند! جو خیالات تمھارے دل میں گزر رہے ہیں۔ میں نے انھیں جان لیا ہے اور تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر حکم کے لیے کوئی سبب ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی سپاہی بچہ کو تاج وتخت اور حکومت عطا فرماتا ہے تو وہ اسے توبہ کی توفیق بخش کر اپنے کسی دوست اور محبوب کی خدمت پر مامور کر دیتا ہے تاکہ یہ خدمت اس کی کرامت کا موجب بن جائے۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی حکمتیں مجھ پر ہر روز اُن سے ظہور پذیر ہوتی تھیں جس دن ان کا وصال ہوا، بیت الجن میں تھے۔ ان کا سر مبارک میری گود میں تھا۔ اس وقت میرے دل میں اپنے کسی دوست کی طرف سے کچھ ملال تھا۔ جیسا کہ انسانوں کی عادت ہے۔ اُنھوں نے مجھ سے فرمایا:

''اے فرزند! دل کو مضبوط کرنے والا ایک مسئلہ بتاتا ہوں، اگر خود کو اس پر درست کر لو تو تمام رنج والم سے محفوظ ہو جاؤ گے۔'' فرمایا۔ ہر محل اور ہر حالت خواہ نیک ہو یا بد، اسے اللہ تعالیٰ ہی پیدا فرماتا ہے۔ لہٰذا اس کے کسی فعل پر جھگڑنا نہ چاہیئے اور دل کو رنجیدہ نہ کرنا چاہیئے۔ اس کے سوا اور کوئی نصیحت نہ فرمائی اور جان دے دی۔

حال وقال

حضرت ابوالقاسم عبدالکریم ابن ہوازن قشیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے منفرد اور عظیم بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے حال اور زبان کو لغویات سے محفوظ رکھا ہے حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے سُنا کہ صوفی کی مثال برسام کی بیماری کی طرح ہے، پہلے بکواس ہوتی ہے، پھر آخر میں خاموشی اور جب ٹھہر جائے تو گونگا ہوتا ہے۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں استاد حضرت ابوالقاسم بن علی گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا اپنے احوال ونمود کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس لحاظ سے کہ وہ ناقد روقت ہیں اور میں اپنا حال ظاہر کروں۔ انھوں نے بڑی شفقت سے میرا حال سُنا اور اسے میرے بچپن کا غرور اور جوانی کی آگ پر محمول قرار دیا اور اسی کا باعث بھی یہی صورت بتائی۔ میں سمجھا کہ وہ بزرگ چونکہ ابتداء میں اس کوچہ سے نہیں گزرے تھے اس لیے میرے بارے میں انتہائی عجز وانکسار کا مظاہرہ کر رہے تھے، لیکن وہ میری دلی کیفیت سمجھ گئے اور فرمایا:

”تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میرا انکسار تمھارے حال کے ساتھ ہے کیونکہ حال کا بدلنے والا حال کے محل میں آتا ہے اور میرا یہ عجز وانکسار احوال کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور یہ سب طالبوں کے لیے ہے اور یہ سب طالبوں کے لیے عام ہے نہ کہ خاص تمھارے لیے۔ میں یہ سن کر از خود رفتہ ہو گیا، انھوں نے میرا باطن دیکھا اور فرمایا:

”اے فرزند! انسان کو اس طریقت سے اس سے زیادہ نسبت نہیں ہوتی کہ جب اسے طریقت کی طرف لگائیں تو اس کے گمان کو پھیر دیا تو اس پر خیالی تعبیر کی راہ بند کر دی۔ لہٰذا نفی واثبات اور اس کا وجود وعدم دونوں خیالی ہیں آدمی ہرگز خیال کی بندش

سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرے اور اپنے آپ سے تمام نسبتیں ختم کردے، صرف خدمت اور بندگی کی نسبت کو برقرار رکھے۔

بارگاہِ الٰہی کا قرب

حضرت ابو احمد المظفر بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ کا باطن مسند جلوہ ہائے ربانی تھا۔ شیخ المشائخ حضرت ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ ہمیں بارگاہِ الٰہی کا قرب بندگی کی راہ سے ملا اور خواجہ مظفر کو براہ راست خدا کی طرف سے ملا۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں کرمان میں ان کے پاس حاضر ہوا، حال پراگندہ تھے اور جسم پر لباس سفر تھا۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا: ''اے ابوالحسن! اپنے حال کی خواہش مجھ سے بیان کرو۔'' میں نے عرض کیا۔ میں سماع چاہتا ہوں۔ انھوں نے اسی وقت قوال بلائے اور دوران سماع جوش ثبات، قوتِ ارادی اور سوزِ محبت نے ابتدائی کلمات میں ہی مجھے مضطرب و بے تاب کردیا۔ تھوڑی دیر گزرنے کے بعد جب غلبہ جوش کم ہوا تو مجھ سے فرمایا، سماع کے بارے میں کیا خیال ہے؟

میں نے عرض کیا۔ یا شیخ! بہت مسرور ہوں۔

فرمایا: جب انھیں بلایا گیا تھا، اس وقت یہ سماع اور کوؤں کی آوازیں ایک برابر تھیں کیوں سماع کی طاقت اس وقت تک ہے جب تک مشاہدہ نہ ہو اور جب مشاہدہ حاصل ہوگیا تو طاقتِ سماع ناپید ہوجاتی ہے، دیکھو ایسی عادت اختیار نہ کرو مبادا طبیعت بن جائے اور مشاہدہ سے رہ جاؤ۔''

رضائے الٰہی

ایک درویش دریائے دجلہ میں گر گیا۔ وہ تیرنا نہیں جانتا تھا۔ کسی شخص نے کنارے پر سے انھیں ڈبکیاں کھاتے ہوئے دیکھا اور کہا۔

اگر تم چاہو تو میں کسی شخص کو بلاؤں جو تمھیں نکال سکے۔

درویش نے جواب دیا۔نہیں۔

اس شخص نے کہا۔ کیا تم غرق ہونا چاہتے ہو؟

درویش شخص نے جواب دیا۔ نہیں۔

اس نے دوبارہ پوچھا۔ تو پھر چاہتے کیا ہو؟

درویش نے جواب دیا۔ میرا رب جو چاہے وہی چاہتا ہوں۔

صاحبِ حال

ایک دن ابوحمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد حضرت محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ صاحب حال اور صاحب سماع تھے۔ حضرت محاسبی کے پاس ایک مرغ تھا جو بانگ دیا کرتا تھا۔ جونہی ابوحمزہ بغدادی نے اندر قدم رکھا۔ مرغ نے بانگ دینا شروع کر دی جس پر ابوحمزہ بغدادی نے ایک نعرہ مارا۔ حضرت محاسبی اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور خنجر نکال لیا۔ فرمایا۔

تو نے کفر بکا ہے۔ اتنا کہہ کر ابوحمزہ کو مارنے کا قصد کیا لیکن مریدوں نے صورت حال کو سنبھال لیا۔ شیخ کے قدموں پر گر گئے اور ابوحمزہ کو چھڑوا دیا، لیکن حارث شاہ نے ابوحمزہ سے فرمایا۔ اے مردود مسلمان ہو۔

مریدوں نے عرض کیا۔ یا شیخ! جبکہ آپ اور ہم اسے مخصوص اولیائے کرام اور

توحید پرستوں میں سے جانتے ہیں تو آپ کو اس پر شک اور تردد کیوں ہو گیا تھا؟

حضرت محاسبی نے فرمایا۔ مجھے اس پر کوئی نہیں تھا اور میں اسے مشاہدہ دیدار حق اور اس کا دل توحید میں مستغرق دیکھتا ہوں لیکن اسے ایسا کیوں کرنا چاہیئے جس طرح حلولی لوگ کرتے ہیں اور جو اُن کے گفتار و کردار کا شعار ہے غور کرو، مرغ ایک بے عقل جانور ہے وہ اپنی فطرت و عادت کے مطابق بانگ دیتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیسے ہمکلام ہو گیا۔ حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کا ہر وقت اور ہر حال حق تعالیٰ کے ساتھ اسکے شایانِ شان سلام کلام کے بغیر سکون وچین سے نہیں گزرتا۔ اس کے باوجود کسی چیز میں اس کا حلول و نزول بھی جائز نہیں ہے اور نہ اتحاد و امتزاج جائز ہے۔ ابوحمزہ نے جس وقت شیخ کی بالغ نظری کو دیکھا تو عرض کرنے لگے۔

''اے شیخ! اگرچہ میں حقیقتاً راستی پر تھا لیکن چونکہ میرا فعل ایسی قوم کے مشابہ تھا جو حلولی اور گمراہ ہیں۔ میں توبہ و رجوع کرتا ہوں۔''

جوان مرد کون ہے؟

حضرت ابو صالح بن حمدون قصبار رحمۃ اللہ علیہ اکابر علماء اور ساداتِ طریقت میں سے ہیں۔ ان کی روش ملامت کے نشر و اظہار پر ہے فرماتے ہیں کہ

نیشاپور نہر تیرہ کے کنارے جارہا تھا۔ وہاں نوح نام کا ایک شخص تھا جس کی جواں مردی نیشاپور کے جواں مردوں میں مشہور تھی۔ میں نے اسے راستہ میں دیکھ کر کہا۔

اے نوح! جواں مردی کیا ہے؟

اُس نے جواب دیا: میری جواں مردی کے بارے میں پوچھتے ہو یا اپنی جواں

مردی کے بارے میں۔

میں نے کہا: دونوں کے بارے میں بتاؤ۔

اُس نے کہا: میری جواں مردی یہ ہے کہ میں نے قبا کو اُتار کر گدڑی پہن لی ہے اور ایسا معاملہ کرنے لگا ہوں جس سے صوفی بن جاؤں۔ خدا سے شرم کرتا ہوں اور اس لباس معصیت سے پرہیز کرتا ہوں۔ تمھاری جواں مردی یہ ہے کہ تم اس گدڑی کو اتار ڈالو تا کہ تم لوگوں سے اور لوگ تم سے فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔ لہٰذا مری جوانمردی ظاہر میں شریعت کی محافظت میں ہے اور تمھاری جواں مردی باطن میں حقیقت کی محافظت میں ہے۔

حالت مدہوشی

حضرت ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایتوں میں ہے کہ انھوں نے اپنے ابتدائی احوال میں بیس سال تک جنگلوں میں ایسی گوشہ نشینی اختیار کی کہ کسی انسان کا سایہ تک نہ دیکھا، یہاں تک کہ ریاضت و مشقت سے جھریاں پڑ گئیں اور آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے۔ بیس سال کے بعد صحت وجلوت کو فرمان ہوا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگوں کے ساتھ میل جول رکھو۔ انھوں نے اپنے دل میں خیال کیا، میرے لئے سب سے پہلے اہل اللہ اور خانہ کعبہ کے مجاوروں کی ہم نشینی کرنا مبارک رہے گا۔ جنگل سے نکلے اور مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ مکہ مکرمہ کے مشائخ کو پہلے ہی الہام ہو چکا تھا کہ ابو عثمان آرہے ہیں وہ سب ان کے خیر مقدم کے لیے باہر نکلے اور ان کو اس حال میں پایا کہ ان کی بینائی متغیر ہو چکی تھی اور زندگی کی رمق کے سوا ان کے جسم پر کچھ نہ تھا۔ پوچھا: اے ابوعثمان! آپ نے زندگی کے بیس سال اس شان سے گزارے کہ سب لوگ آپ کے زندہ ہونے سے مایوس ہو گئے تھے۔ ہمیں بتایے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ

نے کیا دیکھا کیا پایا اور پھر واپس کیوں آ گئے؟

ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مدہوشی میں گیا اور مدہوشی کی آفت کو دیکھا مایوسی کو پایا اور عاجزی سے واپس آیا۔

تمام مشائخ کرام نے فرمایا۔ اب آپ کے بعد مدہوشی وہوش کی تعبیر کسی تعریف کرنے والے پر حرام ہے کیونکہ آپ نے پوری پوری تعریف وتعبیر کر دی ہے اور مدہوشی کی آفت کو ظاہر کر دیا ہے۔''

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حکایت ہے۔ وہ مفلوک الحال تھے اور اُن کے نام حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خط لکھا جس میں دریافت کیا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جس نے دریائے محبت سے ایک قطرہ پیا اور بے خود ہو گیا۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب لکھا۔

تم اس شخص کے بارے میں کیا کہو گے جس کے لیے سارے جہان کے دریا محبت کی شراب بن جائیں اور وہ ان سب کو پی جائے اور پھر بھی اس کی پیاس نہ بجھے۔ اس سے لوگوں نے سمجھا کہ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے مدہوشی کی تعبیر کی ہے اور حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے ہوش کی، حالانکہ اس کے برعکس صاحب ہوش وہ ہوتا ہے جو ایک قطرہ کی بھی طاقت نہ رکھے اور صاحبِ ہوش وہ ہوتا ہے جو مستی میں سب کچھ پی کر بھی پیاسا رہے۔

سرخس میں دو بزرگ تھے، ایک کا نام لقمان اور دوسرے کا نام ابوالفضل حسن تھا۔ ایک روز لقمان ابوالفضل کے پاس آئے اور اُن کے ہاتھ میں ایک کتاب دیکھ کر پوچھا۔ اے ابوالفضل اس کتاب میں کیا تلاش کر رہے ہو۔

فرمانے لگے اسے تلاش کر رہا ہوں جسے تم اس کو چھوڑ کر تلاش کر رہے ہو۔

انھوں نے فرمایا: یہ خلاف کیوں ہے؟

فرمانے لگے۔ خلاف تم دیکھ رہے ہو اور مجھ سے دریافت کر رہے ہو لہٰذا مستی سے ہوشیار رہو اور ہوشیاری سے بیدار ہو تا کہ تم سے خلاف اُٹھ جائے اور جان سکو کہ ہم اور تم کس کو تلاش کر رہے ہیں؟

حکایت ہے کہ جب حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ اپنے غلبۂ حال میں عمرو بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ سے علیحدہ ہو کر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے تو انہوں نے فرمایا، کیوں آئے ہو؟

منصور نے عرض کی۔ مرشد کی صحبت میں رہنے کے لئے۔

حضرت جنید نے فرمایا مجھے دیوانوں کی صحبت درکار نہیں کیونکہ صحبت کے لیے صحت چاہیئے۔ جب تم آفت سے صحبت کرو گے تو ایسا ہو گا جیسے تم نے سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ اور عمرو بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ ساتھ صحبت کی۔

حسن بن منصور نے جواب دیا۔ یا شیخ! ہوش اور مدہوشی انسان کی صفات ہیں اور انسان کے ساتھ اس وقت وابستہ ہیں جب تک وہ اپنے خدا سے محجوب ہے یہاں تک کہ اس کی صفات فنا ہو جائیں۔

حضرت جنید نے فرمایا۔ اے منصور! ہوش اور مدہوشی میں تو نے غلطی کی ہے اس لیے کہ بلاخوف ہوش کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کا حال اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح ہو اور یہ مفہوم انسان کی صفت اور اس کے اکتسابِ حق کے تحت داخل نہیں ہے اور اے منصور! میں نے تیرے کلام میں بہت لغویت اور بے معنی باتیں دیکھی ہیں۔

ایثار و قربانی

یہ مشہور حکایت ہے کہ جس وقت غلام الخلیل نے صوفیائے کرام کے ساتھ دشمنی کا

اظہار کیا اور ہر ایک کو اذیت پہنچانے کے در پے ہو گیا تو حضرت نوری، حضرت رقام اور حضرت ابوحمزہ کو گرفتار کر کے دارالخلافہ میں لے جایا گیا۔ اس وقت غلام الخلیل نے کہا کہ یہ زندیقوں کی جماعت ہے اگر امیر المومنین ان کے قتل کا حکم دے دیں تو ان کا قصہ ہمیشہ کے لیے پاک ہو جائے کیونکہ یہ ان کے سرغنہ ہیں اور جس کے ہاتھ سے ان کے قتل کی نیکی ہو میں اس کے بڑے اجر و ثواب کا ضامن ہوں۔

خلیفہ نے مقدمہ پیش ہوتے ہی غلام الخلیل کی سفارشات پر اسی وقت سب کی گردنیں اڑانے کا حکم دے دیا۔ جلاد آیا اور تینوں کے ہاتھ باندھے اور سب سے پہلے حضرت رقام کو قتل کرنے کے لیے تلوار اُٹھائی تو حضرت نوری جلدی سے اٹھے اور رقام کی جگہ خود تلوار کی زد میں آ گئے۔ سب لوگوں نے اس پر حیرانی کا اظہار کیا۔ جلاد نے کہا۔

اے جواں مرد! یہ تلوار ایسی نہیں کہ اسے کھیل سمجھا جائے اور تم اس کے سامنے آ جاؤ، ابھی تمھاری باری نہیں آئی۔

حضرت نوری نے فرمایا۔ ٹھیک کہتے ہو لیکن میرا طبقہ ایثار پر مبنی ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ عجیب چیز زندگی ہے، میں چاہتا ہوں کہ زندگی کے جو بقایا سانس ہیں وہ بھی اپنے بھائیوں پر قربان کر دوں کیونکہ میرے نزدیک دنیا خدمت کی جگہ ہے اور آخرت قربت کی، قربت خدمت کر کے ہی حاصل کی جا سکتی ہے۔

خلیفہ کو جب اس معاملے کی خبر ہوئی تو وہ ان کی طبیعت کی نرمی اور کلام کی باریکی پر ایسا حیرت زدہ ہوا کہ اُسی وقت قاصد کو بھیجا کہ ابھی ان کے معاملہ میں توقف کرو،

اس وقت چیف جسٹس ابوالعباس بن علی تھے۔ خلیفہ نے ان کے احوال کی تفتیش کا کام ان کے سپرد کر دیا۔ ابوالعباس ان تینوں کو اپنے گھر لے گئے، اس نے شریعت اور حقیقت کے احکام کے بارے میں سوالات کیے۔ اس نے ان کو ہر سوال کے جواب

میں مکمل پایا اور ان کے احوال سے اپنی غفلت و نادانی پر شرمسار ہوا۔ اس وقت حضرت نوری نے فرمایا:

''اے قاضی! جو کچھ تو نے پوچھا ہے ابھی کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ کھاتے، پیتے، بیٹھتے اور اس کے ساتھ کلام کرتے ہیں چیف جسٹس بہت حیرت زدہ ہوا، اُسی وقت ان کی گفتگو اور اُن کے حال کی دُرستگی کی تصدیق لکھ کر خلیفہ کے پاس بھیج دی اور لکھا۔

''اگر کوئی ضرورت ہو تو بتاؤ؟''

انھوں نے کہا۔''اے خلیفہ! ہمیں تم سے یہی حاجت ہے کہ تم ہم سب کو فراموش کر دو، نہ اپنی مقبولیت سے ہمیں اپنا مقرب بناؤ اور نہ ہی دُوری سے ہمیں مردُود بناؤ کیونکہ تمھاری دُوری تمھاری مقبولیت سے مشابہ ہے اور تمھاری قبولیت تمھاری دُوری کی مانند ہے۔

خلیفہ یہ سُن کر رونے لگا اور عزت و احترام کے ساتھ انھیں روانہ کر دیا۔

نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مچھلی کی خواہش ہوئی شہر بھر میں مچھلی تلاش کی گئی لیکن دستیاب نہ ہوئی۔ چند روز بعد مجھے مچھلی مل گئی میں نے باورچی کو حکم دیا کہ اسے تلیں، پھر تلی ہوئی مچھلی کو ان کے سامنے پیش کیا تو اُن کے ماتھے پر خوشی کی چمک پیدا ہوگئی، اسی وقت ایک سائل دروازے پر آ گیا۔ انھوں نے حکم دیا کہ یہ مچھلی سائل کو دے دی جائے۔

غلام نے عرض کیا: اے میرے آقا! آپ اتنے دن سے اسے تلاش کر رہے تھے آپ کو اس کی خواہش تھی اور اب اسے سائل کو کیوں دے رہے ہو؟ میں سائل کو کچھ اور چیز دے دیتا ہوں۔

انھوں نے فرمایا، اے غلام! اس کا کھانا مجھ پر حرام ہے کیونکہ میرے دل میں

اس کی خواہش نہیں رہی۔" میں یہ بات رسول اللہ ﷺ کو سنائی، اس وقت حضور نے نے فرمایا، جسے کسی چیز کی خواہش ہو اور اسے مل جائے، پھر وہ اس سے ہاتھ کھینچ لے اور اپنی جان سے بڑھ کر دوسرے کو سمجھے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس ایثار پر اُسے بخش دیتا ہے۔"

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں نے ایک حکایت میں پایا کہ دس درویش جنگل میں جا رہے تھے، سفر کے دوران انھیں پیاس لگی۔ ان کے پاس صرف ایک پیالہ شربت تھا ہر ایک خود نہیں پیتا تھا بلکہ دوسرے کو دے دیتا تھا۔ اس طرح وہ پیالہ کوئی بھی نہ پی سکا اور ان میں سے مارے پیاس کے نو دنیا سے رخصت ہو گئے، صرف ایک درویش رہ گیا۔ اس نے بتایا کہ جب میں نے دیکھا کہ سب مر گئے ہیں تو میں نے اسے پی لیا اور مجھے ہوش آ گیا۔ جسم میں طاقت محسوس ہوئی تو کسی نے اس سے پوچھا اگر تم بھی نہ پیتے تو اچھا تھا۔

درویش نے کہا اے شخص شریعت کو کیا سمجھا ہے اگر اس وقت اُسے نہ پیتا تو میں اپنی جان کا قاتل ہوتا اور میں پکڑا جاتا۔

کسی نے کہا۔ پھر وہ تو نو درویش بھی اپنی جانوں کے قاتل ٹھہرے۔

درویش نے جواب دیا۔ نہیں کیونکہ انھوں نے ایک دوسرے کی خاطر نہ پیا تاکہ دوسرا پی کر بچ جائے اور وہ اسی خاطر داری میں انتقال کر گئے۔ صرف میں اکیلا رہ گیا تو اب یقیناً شرعاً شربت کا پینا مجھ پر واجب ہو گیا کہ میں اسے پی لوں۔

امیر المومنین سیدنا حضرت علی مرتضٰے کرم اللہ وجہہ رسول اکرم ﷺ کے بستر پر سوئے اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے غار ثور میں تشریف فرما ہوئے، اس رات کفار نے حضور نبی کریم ﷺ کو شہید کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل و میکائیل علیہما السلام سے فرمایا:

میں نے تم دونوں کے درمیان برادری اور محبت پیدا کر کے ایک دوسرے پر

زندگی دراز کردی ہے اب تم بتاؤ کہ تم میں سے کون بھائی ہے جو اپنی زندگی کو دوسروں پر قربان کر کے اپنی موت کو چاہے ان دونوں نے اپنی زندگی ہی کو اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل ومیکائیل سے فرمایا:

''تم حضرت علی کی بزرگی وفضیلت دیکھو کہ میں نے علی اور اپنے رسول کے درمیان برادری قائم فرمائی، اگر علی نے ان کے مقابلہ میں اپنے قتل اور اپنی موت کو پسند کیا اور رسول کریم ﷺ کی جگہ سوئے اور اپنی جان کو ان پر فدا کر دیا اپنی زندگی کو ان پر نثار کر دیا اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ اب دونوں زمین پر جاؤ اور علی کو دشمنوں سے محفوظ رکھو۔ اس وقت حضرت جبریل ومیکائیل علیہما السلام آئے، ایک حضرت علی کے سرہانے اور دوسرا ان کی پائنتی پر بیٹھ گئے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا:

''اے ابو طالب کے فرزند! کون ہے جو تمھاری مثال ہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں پر تمھارے ساتھ مباہات فرمارہا ہے، تم اپنی نیند میں خوش ہو۔'' اسی ایثار پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

ترجمہ: لوگوں میں سے کون ہے جو اپنی جان کو خدا کی رضا کی خواہش میں فروخت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کے ساتھ مہربان ہے۔

جس وقت اللہ تعالیٰ نے غزوہ اُحد میں سختی ومشقت کے ذریعہ مسلمانوں کا امتحان لیا تو ایک انصاری پارسا عورت شربت کا پیالہ لے کر آئی تاکہ کسی اپنے واقف کو پلائے۔ وہ بیان کرتی ہے کہ میدان جنگ میں ایک بزرگ صحابی کو زخمی حالت میں دیکھا جو آخری سانس لے رہے تھے۔ اس نے اشارہ کیا کہ پانی مجھے دو جب میں پانی لے کر پہنچی تو دوسرے زخمی نے پکارا مجھے پانی پلاؤ، پہلے زخمی نے پانی نہ پیا اور مجھ سے کہا اس کے پاس لے جاؤ جب میں اس کے پاس پہنچی تو تیسرے زخمی نے آواز دی۔ پانی، دوسرے زخمی نے بھی نہ پیا اور کہا اس کے پاس لے جاؤ، یہاں تک کہ اسی طرح

سات زخمیوں سے اس کا واسطہ پڑا جب وہ ساتویں کے پاس پہنچی اور اس نے چاہا کہ پانی پیے تو اس نے جان دے دی۔ پھر وہ واپس چھٹے کے پاس آئی تو اس نے بھی جان دے دی تھی اسی طرح ہر ایک زخمی اپنی جان اللہ تعالیٰ کے سپرد کر چکا تھا۔ اس وقت یہ آیت اُتری۔

ترجمہ: یہ مسلمان اپنی جانوں پر ایثار کرتے ہیں اگر چہ وہ تنگی میں ہوں۔

بنی اسرائیل میں ایک راہب تھا جس نے چار سو سال تک عبادت کی، ایک دن اس نے کہا:

اے خدا! اگر اس پہاڑ کو پیدا فرمایا نہ ہوتا تو لوگوں کو سفر و سیاحت میں بڑی آسانی ہوتی، اس زمانہ کے نبی سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

''تم اس راہب کو بتا دو کہ ہماری ملکیت و اختیار میں تمھیں مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں، اور تم نے مداخلت کر کے گستاخی کی ہے۔ لہٰذا تیرا نام نیک بختوں کی فہرست سے نکال کر نافرمانوں اور بد بختوں کی فہرست میں لکھ دیا گیا ہے۔''

راہب نے یہ سنا تو اُسے بے حد خوشی ہوئی اور سجدۂ شکر بجالایا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت اپنے نبی کے ذریعہ فرمایا۔

''اے بے خبر! شقاوت اور بد بختی پر سجدۂ شکر واجب نہیں ہوتا۔''

راہب نے عرض کیا۔'' میرا شکر بد بختی پر نہیں، بلکہ اس پر ہے کہ میرا نام اللہ تعالیٰ کے کسی دیوان میں تو ہے۔ لیکن اے نبی! میری ایک خواہش ہے اسے آپ اللہ تعالیٰ تک پہنچادیں۔''

انھوں نے فرمایا۔ کہو تا کہ میں اللہ تعالیٰ سے عرض کروں۔

راہب نے کہا۔'' اب جو تو دوزخ میں ڈالتا ہے تو مجھے اتنا بڑا کر کہ میں تمام توحید پرست گنہگاروں کے بدلہ میں ایک میں ہی گنہگار ٹھہروں تا کہ وہ سب جنت میں چلے

جائیں۔''

اسی وقت یہ فرمان الٰہی جاری ہوا کہ اس بندے سے کہو کہ تیرا یہ امتحان تیری ذلت کے لیے نہیں تھا بلکہ لوگوں کے سامنے تیرے اظہار کے لیے تھا۔ اب قیامت کے دن تُو جس شخص کی شفاعت کرے گا اُسے بخش دوں گا۔

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت احمد حماد سرخسی سے پوچھا کہ تمھاری توبہ کی ابتدائی کیفیت کیا ہے۔ انھوں نے کہا:

میں ایک دن سرخس سے جنگل کی طرف جا رہا تھا۔ میں اس جگہ عرصہ تک اونٹوں کے پاس رہا اور میں ہمیشہ اس بات کا خواہشمند رہا کہ میں بھوکا رہوں اور اپنا کھانا کسی دوسرے کو دے دوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد میرے دل میں بسا ہوا تھا کہ:

''مسلمان اپنی جانوں پر ایثار کرتے ہیں اگر چہ انھیں تنگی ہو۔'' اور میں اسی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتا ہوں۔ ایک دن ایک بھوکا شیر جنگل سے آیا اور میرے اونٹوں میں سے ایک اونٹ کو مار ڈالا اور اونچی جگہ پر جا کر آواز نکالی۔ آس پاس جتنے درندے تھے آواز سُن کر اُس کے گرد جمع ہو گئے اور ان سب کے سامنے اونٹ پھاڑ کر ڈال دیا اور خود کچھ نہ کھایا اور بلند جگہ پر جا کر بیٹھ گیا۔ درندے جن میں بھیڑیے، چیتا، لومڑی اور گیدڑ وغیرہ شامل تھے سب اونٹ کھانے لگے وہ اس وقت تک موجود رہا جب تک تمام درندے کھا کر واپس نہ چلے گئے۔ اس وقت اس نے ارادہ کیا کہ تھوڑا سا اس میں سے کھا لے اتنے میں ایک لنگڑی لومڑی ظاہر ہوئی شیر پھر اپنی جگہ پر واپس پہنچ کر بیٹھ گیا۔ لومڑی جتنا کھا سکتی تھی کھایا اور چلی گئی، اس وقت شیر آیا اور اس میں سے تھوڑا سا کھایا۔ میں دُور سے یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ جب شیر کھا کر جانے لگا تو اس نے مجھ سے کہا:

''اے احمد! لقمہ کا ایثار کتوں کا کام ہے۔ مرد تو اپنی جان و زندگی قربان وا...

کرتے ہیں۔" جب میں اس دلیل کو دیکھا میں نے ہر مشغولیت سے دامن بچالیا۔ یہ میری توبہ کی ابتداء ہے۔"

جعفر خُلدی کہتے ہیں کہ ایک دن ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ تنہائی مین مناجات کرر ہے تھے میں قریب ہوگیا تا کہ ان کی مناجات اپنے کانوں سے سنوں اور انھیں خبر بھی نہ ہو، چونکہ بہت فصیح و بلیغ تھے، وہ مناجات کرر ہے تھے۔

"اے خدا! تو دوزخیوں کو عذاب دے گا حالانکہ وہ سب تیرے پیدا کردہ ہیں اور تیرے ازلی علم وارادہ اور قدرت میں ہیں۔ اگر تو واقعی دوزخ کو لوگوں سے بھرنا چاہتا ہے تو تُو اس پر قادر ہے کہ مجھ سے دوزخ اور اس کے گوشے بھر دے اور ان دوزخیوں کو جنت میں بھیج دے۔ جعفر کہتے ہیں کہ میں یہ مناجات سُن کر متحد ہو گیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی آنے والے نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم حضرت ابوالحسن سے کہو، ہم نے تمھاری اس شفقت و تعظیم میں، جو تمھیں ہمارے بندوں میں حاصل ہے تمھیں بخش دیا گیا ہے۔

انھیں نوری اس لیے کہا جاتا ہے کہ اندھیرے گھر میں جب وہ بات کرتے تھے تو ان کے باطنی نور سے وہ گھر روشن ہو جاتا تھا اور وہ مریدوں کے دلی اسرار کو نورِ حق سے جانتے تھے۔

ذکرِ الٰہی

فرقہ سہلیہ کے پیشوا سہل ابن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ مریدوں کو مجاہدے سے درجہ کمال تک پہنچادیتے تھے۔ انھوں نے ایک مرید سے فرمایا، جہد و کوشش کرو، ایک دن یا اللہ یا اللہ ہی کہتے رہو اور دوسرے دن پھر تیسرے دن ایسا ہی کہتے رہو۔ اس کے بعد فرمایا، اب ان کے ساتھ رات بھی ملالو اور یہی کہتے رہو۔

مرید نے ایسا ہی کیا اور یہاں تک کہ اگر مرید اپنے آپ کو کسی جگہ خواب میں دیکھتا تو وہ خواب میں بھی یہی کہہ رہا ہوتا، حتیٰ کہ یہ اس کی طبعی عادت بن گئی۔ اس کے بعد حضرت تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اب اس سے لوٹ آؤ اور اس کی یادداشت میں مشغول ہو جاؤ۔ مرید کی پھر یہ حالت ہو گی کہ وہ ہمہ وقت اسی میں مستغرق ہو گیا۔ ایک دن مرید اپنے گھر پر تھا ہوا سے ایک لکڑی گری اور مرید کا سر پھٹ گیا۔ سر سے خون کے جو قطرات ٹپک کر زمین پر گر رہے تھے اُن میں سے اللہ اللہ کی آواز آ رہی تھی۔

توکل

ایک حکایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ کوفہ میں محمد بن حسین علوی کے مکان میں قیام پذیر تھے کہ ابراہیم خواص کوفہ میں آئے تو انھوں نے ان کی آمد کی خبر سُنی، ملاقات کے لیے ان کے پاس گئے۔ حسین نے فرمایا:

اے ابراہیم! طریقت میں تمھیں چالیس برس گزر گئے ہیں تمھیں ان کے معانی میں سے کیا حاصل ہوا ہے؟

جواب دیا۔ مجھے توکل کا طریقہ بھرپور انداز سے حاصل ہوا ہے۔

حسین نے فرمایا۔ اپنے باطن کی بستی میں تُو نے اتنی عمر ضائع کر دی پھر بھی تجھے توحید میں فنا حاصل نہ ہوا۔

شیخ ابو علی سیاہ مروزی روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا۔ ''میں نے نفس کو ایسی شکل میں دیکھا جو میری ہم صورت تھی۔ کسی نے اس کے بال پکڑ رکھے تھے اس نے مجھے دے دیا اور میں نے اسے ایک درخت سے باندھ دیا۔ میں نے اسے مار ڈالنے کا ارادہ کیا تو اس نے مجھے کہا۔ اے ابو علی! رنج نہ کرو میں خدا کا لشکری ہوں، تم مجھے فنا نہیں کر سکتے۔

نفسِ انسانی

حضرت محمد بن علیان نسوی جو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے لائق صداحترام دوستوں میں سے تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ میں ابتدائے حال میں جب نفس کی آفتوں سے آشنا ہوا اور اس کی خفیہ پناہ گاہوں کا مجھے علم ہوا تو سب سے پہلے میرے دل میں نفس کی طرف سے کینہ پیدا ہو گیا۔ ایک دن لومڑی کے بچہ کی مانند کوئی چیز میرے گلے سے باہر نکلی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لمحے مجھے اس سے آشنا کر دیا کہ وہ نفس ہے۔ میں اسے پاؤں سے روندنے اور اس پر لاتیں مارنے لگا لیکن وہ پھیلتا ہی گیا۔ اس وقت میں نے کہا۔

''اے نفس! ہر چیز مارنے اور مجروح ہونے سے ہلاک ہو جاتی ہے لیکن تو کیوں پھیلتا جا رہا ہے۔''

نفس نے کہا۔ اس لیے کہ میری پیدائش الٹی ہے اور دل کو جو چیزیں تکلیف پہنچاتی ہیں اُن سے مجھے راحت ہوتی ہے اور جو چیزیں دوسروں کو راحت دیتی ہیں ان سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔

حضرت شیخ ابوالعباس شقانی رحمۃ اللہ علیہ امام وقت تھے فرماتے ہیں ایک دن میں گھر میں آیا تو زرد رنگ کے کُتے کو اپنی جگہ سوتے ہوئے دیکھا۔ میں نے خیال کیا کہ غالباً محلّہ سے کہیں آ گیا ہے اسے باہر نکالنے کا ارادہ کیا مگر وہ میرے دامن میں گھس گیا۔

حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ابتدائی حال کی نشانی بتاتے ہیں کہ میں نے نفس کو سانپ کی شکل میں دیکھا ہے اور ایک دوسرے بزرگ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے نفس کو چوہے کی شکل میں دیکھا تو میں نے اس سے پوچھا۔

تُو کون ہے؟

اس نے جواب دیا: میں غافلوں کو ہلاکت میں پھنسانے والا، ان کو شرارت وبرائی کی راہ پر چلانے والا اور دوستوں کی نجات ہوں کیونکہ میرا وجود آفت سے ہے۔ اگر میں ان کے ساتھ نہ ہوں تو وہ اپنی پاکیزگی وطہارت پر مغرور ہوکر اپنے افعال پر تکبر کرنے لگتے۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ سُنا کہ روم میں ایک راہب ہے جو ستر سال سے کلیسا میں زہد ورہبانیت میں مشغول ہے۔ میں نے کہا کہ تعجب ہے کہ رہبانیت کی شرط تو چالیس سال ہوتی ہے۔، یہ آدم زاد کس طریقہ پر ستر سال سے اس کلیسا میں بیٹھا ہوا ہے جب میں اس کے کلیسا کے قریب پہنچا تو اس نے کھڑکی کھول کر مجھے کہا۔

اے ابراہیم! میں جانتا ہوں کہ تم کس لیے آئے ہو، میں اس جگہ رہبانیت کی غرض سے ستر سال سے نہیں بیٹھا ہوا بلکہ میرے پاس ایک کُتا ہے جو خواہش میں سرکش ہے میں اس کُتے کی رکھوالی کررہا ہوں تاکہ لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں ورنہ ایسا نہ ہوتا۔

حضرت ابراہیم نے یہ سن کر خدا سے عرض کیا، اے خدا! تو قادر ہے کہ کھلی گمراہی میں بڑے ہوئے اس شخص کو صحیح طریقہ اور سچی راہ سے نوازے!

راہب نے کہا۔" اے ابراہیم! تم کب تک لوگوں کی طلب میں رہو گے، جاؤ اپنے آپ کو طلب کرو جب تم اپنے آپ کو پا جاؤ تو اس کی نگہبانی کرو کیونکہ ہر روز یہ ہوا تین سو ساٹھ قسم کی الوہیت کا لباس پہن کر انسان کو گمراہی کی طرف بلاتی ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں نے ایک شخص کو ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

تمھیں یہ درجہ کیسے حاصل ہوا؟ انھوں نے جواب دیا۔

''میں ہوائے نفس پر پاؤں دکھ کر ہوا میں اڑ جاتا ہوں۔''

حضرت ابوعلی سیاہ مروزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حمام میں گیا ہوا تھا اور سنت کے موافق استرہ کی رعایت کررہا تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا۔ اس عضو کو جو شہوتوں کی بنیاد ہے اور اس سے تجھے کتنی آفت میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ اسے اپنے وجود سے کاٹ کر پھینک دو تا کہ شہوت سے محفوظ رہو۔ اُسی وقت ایک آواز محسوس ہوئی کہ اے علی تم ہمارے ملک میں تصرف کررہے ہو۔ ہمارے بنائے ہوئے کسی عضو کے مقابلہ میں کوئی دوسرا عضو بہتر نہیں ہے۔ مجھے اپنی عزت کی قسم! اگر تم نے اسے جدا کردیا تو میں تمھارے ہر بال کو سو گُنا شہوت وخواہش دے کر اس کا قائم مقام بنادوں گا۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہوگئے۔ ایک طبیب ان کے پاس آیا اور کہنے لگا، پرہیز کیجئے۔

آپ نے فرمایا: کس چیز سے پرہیز کروں کیا اس سے جو میری روزی ہے یا اس چیز سے جو میری روزی نہیں ہے۔ اگر پرہیز روزی سے متعلق ہے تو ایسا ہو ہی نہیں سکتا اگر اس کے سوا کچھ اور ہے تو وہ اللہ تعالیٰ مجھے دیتا ہی نہیں۔

اثباتِ روایت

سیدنا عمر فاروق عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں حسب معمولی دریائے نیل کا پانی خشک ہوگیا۔ زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ ہر سال ایک خوبصورت لڑکی کو زیورات سے آراستہ کرکے دریائے نیل کی بھینٹ کیا جاتا تو وہ اس وقت جاری ہوجاتا۔ مصر کے گورنر نے یہ صورت حال لکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیج دی۔آپ نے گورنر کے حکم کی توثیق فرماتے ہوئے ایک کاغذ پر یہ تحریر لکھ کرارسال فرمائی اور انھیں حکم فرمایا کہ اس تحریر کو دریائے نیل میں پڑھ کرڈال دیں۔اس رقعہ پر تحریر تھا۔

''اے پانی اگر تو خدا کے حکم سے رُکا ہے تو جاری نہ ہوا گر اپنی مرضی سے رُکا ہے تو عمر کہتا ہے کہ جاری ہو جا۔''

جب یہ رقعہ پانی میں ڈالا گیا تو جوش مارنے لگا اور کبھی خشک نہ ہوا۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ امارت حقیقی تھی۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ لوگوں نے مجھے بتایا کہ کسی شہر میں اولیاء اللہ میں سے ایک ولی رہتا ہے۔ میں اُٹھا اور اس کی زیارت کے ارادہ سے آمادہ سفر ہوا جب میں ان کی مسجد کے پاس پہنچا تو وہ مسجد سے باہر آرہے تھے اور اپنے منہ سے تھوک کر مسجد میں ڈال دیا۔ میں وہیں سے لوٹ آیا۔ اسے سلام تک نہ کیا۔ میں نے دل میں کہا کہ ولی کو لازم ہے کہ شریعت کی پاسداری کرے تا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ولایت محفوظ رکھے اگر یہ شخص ولی ہوتا تو اپنے منہ سے مسجد کی زمین پر اس کے احترام میں نہ تھوکتا۔ اس کے حق کی حفاظت کرتا اور اسی کرامت کو درست رکھتا۔ اسی رات نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے مجھے فرمایا:

''اے بایزید! جو کام تم نے کیا ہے اس کی برکتیں تمھیں ضرور حاصل ہوں گی۔''

کوئی شخص حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے مسجد میں پہلے بایاں پاؤں داخل کیا۔ انھوں نے فرمایا اُسے نکال دو جو شخص دوست کے گھر میں داخل ہونے کا سلیقہ نہیں رکھتا، وہ ہماری مجلس کے لائق نہیں۔

حضرت ابراہیم خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی انتہاء پسندی کی

عادت کے مطابق جنگل میں چلا گیا۔ کچھ عرصہ بعد ایک کونہ سے کوئی اٹھا اس نے میرے ساتھ رہنے کی اجازت چاہی۔ جب میں نے دیکھنے کے لیے اس پر نظر ڈالی تو میرے دل میں نفرت سی پیدا ہوئی اور میں نے خیال کیا یہ کس لائق ہے، اس نے کہا۔ اے ابراہیم! آزردہ خاطر نہ ہو، میں نصاریٰ میں سے ہوں۔ ان کا راہب ہوں اور آپ کی صحبت کی تمنا میں ملک روم سے آیا ہوں۔

اس وقت میں نے جانا۔ یہ غیر ہے تو میرے دل کو آسودگی ہوئی اور صحبت کا طریقہ اور اس کا حق ادا کرنا میرے لیے آسان ہو گیا۔

میں نے اس سے کہا، اے نصرانیوں کے راہب! میرے پاس طعام و شراب نہیں ہے۔ مجھے خوف ہے کہ اس جنگل میں تمھیں کوئی تکلیف پہنچے۔

راہب نے جواب دیا۔ ''اے ابراہیم! دنیا میں تو آپ کا اتنا شہرہ ہے اور آپ ابھی تک طعام و شراب کے غم میں مبتلا ہیں۔''

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے راہب کی اس خوشی پر تعجب ہوا اور تجربہ کے طور پر میں نے اس کو اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی کہ وہ اپنے دعویٰ میں کتنا سچا ہے۔

جب ہمیں ایک ساتھ سفر کرتے ہوئے سات دن اور سات راتیں گزر گئیں تو ہمیں پیاس محسوس ہوئی۔ راہب کھڑے ہو کر کہنے لگا۔

اے ابراہیم! دنیا میں آپ کا نقارہ بج رہا ہے۔ اب کچھ لائیے کہ آپ کیا رکھتے ہیں پیاس اتنی شدید ہے کہ آپ کے حضور اس گستاخی کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا۔ حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنا سر زمین پر رکھا اور دُعا کی۔ اے خدا! مجھے اس غیر کے سامنے ذلیل و رسوا نہ کرنا کیونکہ وہ اپنی غیریت میں مجھ سے نیک گمان رکھتا ہے، کوئی مذائقہ نہیں کہ ایک کافر کا گمان مجھ سے پورا ہو جائے۔''

حضرت ابراہیم نے سجدہ سے سر اُٹھایا تو ایک طشت میں دو روٹیاں اور دو گلاس پانی کے رکھے ہوئے دیکھے۔ دونوں نے اسے کھایا اور وہاں سے آگے چل دیے۔
جب سات روز پھر اسی طرح گزر گئے تو میں نے دل میں سوچا کہ کیوں نہ اب اس کافر کا امتحان لیا جائے۔ پیشتر اس کے کہ وہ مجھ سے کسی اور چیز کا سوال کرے اور میرا امتحان لے، اس کی طلبی میں مجھ سے اصرار کرے اور میں اپنی ذلت دیکھوں۔
میں نے کہا۔ اے نصرانیوں کے راہب! لاؤ آج تمھاری باری ہے تا کہ دیکھوں کہ اتنا عرصہ مجاہدے میں رہ کر کیا پایا ہے؟
راہب نے یہ سُن کر زمین پر سر رکھا اور کچھ دعا مانگی، اسی وقت ایک طشت نمودار ہوا جس میں چار روٹیاں اور چار پانی کے گلاس تھے۔ میں اس پر حیرت زدہ ہو گیا اور آزردہ خاطر ہو کر اپنے احوال سے نا اُمید ہو گیا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ میں اسے نہیں کھاؤں گا کیونکہ یہ ایک کافر کے لیے نمودار ہوا ہے۔ اس میں اسی معاونت ہے، میں اسے کیسے کھا سکتا ہوں، راہب نے کہا۔
اے ابراہیم! اسے کھائیے۔ میں نے کہا، میں نہیں کھاؤں گا۔
راہب نے کہا: آخر اس کی وجہ کیا ہے؟
میں نے کہا: اس لیے کہ تم اس کے اہل نہیں ہو اور یہ تمھارے قبیل سے نہیں ہے میں اس معاملہ پر سخت حیران ہوں کہ اگر اسے کرامت پر محمول کروں تو کافر پر کرامت کا اطلاق جائز نہیں اور اگر معونت کہوں تو مدعی کو شبہ ہوتا ہے۔
راہب نے کہا: کھیے اور دو چیزوں کی بشارت سُنیے۔ ایک تو میرے اسلام قبول کرنے کی کہ میں کلمہ پڑھتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ آپ خدا کے نزدیک بہت بڑے بزرگ ہیں۔
میں نے پوچھا، وہ کیسے؟

راہب نے جواب دیا۔ اس لیے کہ اس جنس میں سے میرے پاس کچھ نہ تھا۔ میں نے صرف تمھاری شرم سے زمین پر سر رکھا تھا اور دعا مانگی تھی کہ اے خدا! اگر دین محمد ﷺ سچا ہے اور تیرا پسندیدہ ہے تو تُو مجھے دو روٹی اور دو گلاس پانی دے اور اگر ابراہیم تیرا ولی ہے تو دو روٹی اور دو گلاس پانی دے اور دے جب میں اپنا سر اٹھایا تو اس طشت کو موجود پایا۔ ابراہیم نے اس سے کھایا اور وہ جواں مرد جو راہب تھا بزرگانِ دین میں سے ہوا۔

مشائخ طریقت اور تمام اہل سنت و جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی کافر کے ہاتھ سے معجزہ کرامت کے مشابہ کوئی خرقِ عادت فعل ظاہر ہونا جائز ہے کیونکہ شہادت کے موقعوں کو اس کا ظہور توڑ دیتا ہے اور کسی کو اس کے جھوٹے ہونے میں کوئی شُبہ نہیں رہتا اور اس فعل کا اظہار اس کے جھوٹے ہونے پر گواہ بن جاتا ہے جس طرح کہ فرعون تھا۔ اس نے چار سو سال کی عمر پائی مگر اس دوران وہ کبھی بیمار تک نہ ہوا، اس کا حال یہ تھا کہ دریا کا پانی اس کی پُشت کے پیچھے اونچا تھا جب وہ کھڑا ہوتا تو پانی بھی ٹھہر جاتا اور جب چلنے لگتا تو پانی بھی چلنے لگتا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود کسی عقلمند کو اس کے دعویٰ خدائی کے جھوٹا ہونے میں کوئی شبہ نہ تھا۔ کیونکہ ہر عقلمند کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ مجسم و مرکب نہیں اگر ایسے افعال یا اس کے قسم کے اور بہت سارے افعال اس سے ظاہر ہوں تو عاقل کے لیے اس کے دعویٰ کے جھوٹے ہونے میں کوئی شک و تردد نہ ہوگا اور باغ ارم کے شداد اور نمرود کے بارے میں اس قسم کی جو باتیں سُنی جاتی ہیں ان کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔ اس کے ہم معنی خبر ہمیں حضرت سیدِ عالم ﷺ نے دی ہے کہ آخر زمانہ میں دجال نکلے گا جو خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ اس کے دائیں جانب ایک پہاڑ اور دوسری جانب دوسرا پہاڑ اس کے ساتھ چلے گا۔ وہ داہنی جانب کو جنت کہے گا اور جو اس کی بائیں جانب ہوگا وہ اُسے دوزخ کہے گا۔ وہ لوگوں کو اپنی طرف

بلائے گا اور جو اس کی دعوت کو قبول نہ کرے گا اُسے سزا دے گا اور وہ لوگوں کو اپنی گمراہی کے سبب ہلاک کرے گا۔ پھر زندہ کرے گا۔ سارے جہان میں اسی کا حکم چلے گا اگر وہ اس کی بجائے سو گنا زیادہ خرق عادات اور افعال ظاہر کرے لیکن کسی عقلمند کو اس کے جھوٹے ہونے میں کوئی شُبہ نہ ہوگا اس لیے کہ ہر سمجھدار اور عقلمند واضح طور پر جانتا ہے کہ خدا گدھے پر نہیں بیٹھتا، متغیر و متلون اور کانا نہیں ہوتا۔ ایسی باتوں کی نمائش کو استدراج کہتے ہیں۔

ایک دن حضرت حارث رحمۃ اللہ علیہ دنیا سے ایسے گُم ہوئے کہ دنیا میں رہتے ہوئے عقبےٰ سے مل گئے۔ اس وقت انھوں نے فرمایا۔

''میں نے اپنے آپ کو دنیا سے الگ کرلیا۔ اب میرے لیے دنیا کا سونا، چاندی، اینٹ اور پتھر کے برابر ہے۔'' دوسرے دن کھجور کے باغ میں لوگوں نے انھیں کام کرتے دیکھا۔

لوگوں نے پوچھا۔ اے حارث! کیا کر رہے ہو؟ اُنھوں نے فرمایا۔ اپنی روزی حاصل کر رہا ہوں کیونکہ اس کے بغیر چارہ کار نہیں۔

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اُستاد امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ انھوں نے طبرانی سے ان کا ابتدائی حال دریافت کیا۔ طبرانی نے کہا۔

''ایک روز مجھے ایک پتھر کی ضرورت پڑی سرخس کی شاہراہ سے جو پتھر بھی اٹھاتا وہ پارس ہوتا، یہ اس وجہ سے نہ تھا کہ ان کے نزدیک دونوں برابر تھے بلکہ اس لیے تھا جو پارس یا جوہر اُن کے ہاتھ میں آتا تھا وہ ان کی مراد کے مقابلہ میں پتھر سے زیادہ ذلیل وحقیر تھا''۔

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خواجہ امامؒ خرامی نے سرخس

میں اپنے بارے میں مجھے بتایا کہ میں بچہ تھا اور قرمز کے لئے شہتوت کے پتوں کی تلاش میں وہاں کے کسی محلّہ میں گیا اور ایک درخت پر چڑھ کر ایک ٹہنی کو جھاڑنے لگا۔ شیخ ابوالفضل بن حسن اس کوچہ سے گزرے، اس وقت میں درخت پر تھا۔ انھوں نے نہ تو مجھے دیکھا اور نہ ہی انھیں اس کا خیال آیا وہ اس وقت اپنے آپ سے غائب تھے اور ان کا دل خدا کے ساتھ خوش وخرم تھا پھر انھوں نے اپنا سر اٹھایا اور کہا۔

اے خدا ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا تو نے مجھے ایک دمڑی تک نہ دی کہ میں سر کے بال ہی بنوا لیتا۔ کیا دوستوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ اسی وقت دوخت کے تمام پتے، ٹہنیاں اور جڑیں سونے کی ہوگئیں۔ اسی وقت مرشد نے کہا عجیب بات ہے کہ میری کنارہ کشی پر میرے دل کی کشادگی کے لیے یہ سب استہزا ہے، میں تجھ سے ایک بات بھی نہیں کہہ سکتا۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ انھوں نے چار ہزار اشرفیاں دریائے دجلہ میں پھینک دیں۔ لوگوں نے کہا، یہ کیا کرتے ہو؟

انھوں نے فرمایا۔ پتھر پانی کے ساتھ زیادہ بہتر ہے۔

لوگوں نے کہا۔ بہتر تھا کہ انھیں مخلوق خدا میں بانٹ دیتے۔ فرمایا سبحان اللہ! اپنے دل سے حجاب اٹھا کر مسلمان بھائیوں کے دلوں پر ڈال دوں۔ میں خدا کو کیا جواب دوں گا کیوں کہ دین کی یہ شرط نہیں ہے کہ مسلمان بھائیوں کو اپنے سے بدتر سمجھوں۔

حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا۔ ''اے ابوبکر! آج مین تمھیں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔''

میں نے عرض کیا۔ ''شیخ کا حکم سر آنکھوں پر۔'' یہ کہہ کر میں ان کے ساتھ چل دیا۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ میں نے ایک گھنا جنگل دیکھا۔ اس جنگل کے درمیان ایک سرسبز درخت کے نیچے عالیشان تخت بچھا ہوا تھا۔ ساتھ ہی ایک پانی کا چشمہ تھا اور

ایک شخص عمدہ لباس میں ملبوس اس تخت پر بیٹھا تھا۔ جب محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ اس کے قریب ہوئے تو وہ شخص کھڑا ہو گیا اور انھیں اپنے پاس تخت پر بٹھالیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہر طرف سے لوگ آنے لگے یہاں تک کہ چالیس آدمی جمع ہو گئے۔ انھوں نے کوئی اشارہ کیا۔ اسی وقت آسمان سے کچھ کھانے کی چیزیں ظاہر ہوئیں، جنھیں ہم نے کھایا۔ محمد بن علی نے کوئی سوال کیا اور اس مرد نے اس کا بہت طویل جواب دیا جس کا میں ایک لفظ نہ سمجھ سکا۔ کچھ عرصہ بعد اجازت مانگی اور واپس آ گئے۔ راستے میں محمد بن علی نے مجھے فرمایا۔ ''جاؤ تم نیک بخت ہو جب کچھ مدت کے بعد دوبارہ ترمذ تشریف لائے تو میں نے پوچھا۔

''اے شیخ! وہ کون سی جگہ تھی اور وہ کون شخص تھا؟''

فرمایا وہ بنی اسرائیل کا جنگل تھا اور وہ مردِ قطب مدار علیہ تھا۔ میں نے عرض کیا۔ اے شیخ! اتنی مختصر مدت میں ترمذ سے بنی اسرائیل کے جنگل میں کیسے پہنچ گئے؟ فرمایا، اے ابوبکر! تمھیں پہنچنے سے کام ہے نہ کہ پوچھنے اور سبب دریافت کرنے سے۔

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ معجزہ اور کرامت کے موضوع پر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آصف بن برخیا کی کرامت کی بھی خبر دی، جس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام نے چاہا تھا کہ بلقیس کا تخت ان کے سامنے پیش کیا اور انھوں نے تخت اس جگہ حاضر کر دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آصف کی شرافت و بزرگی لوگوں پر ظاہر ہو جائے اور وہ اپنی کرامات لوگوں پر ظاہر کریں کیونکہ اولیاء کی کرامات جائز ہیں چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: کون ہے جو بلقیس کے آنے سے پہلے اس کا تخت ہمارے سامنے لے آئے اور اسے لوگوں کو دکھائے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی کہ جنات میں سے ایک دیو عفریت نامی نے کہا۔

''میں آپ کی مجلس برخاست ہونے سے پہلے آؤں گا۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا اس سے جلدی درکار ہے۔

حضرت آصف بن برخیا نے عرض کیا۔ میں آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے اسے لے آؤں گا۔ پھر جب انھوں نے نظر اٹھائی تو تخت موجود تھا حضرت سلیمان علیہ السلام نے آصف کے اس فعل پر نہ تو حیرت کا اظہار کیا اور نہ اسے ناممکن جانا حالانکہ یہ کسی صورت بھی معجزہ نہ تھا کیونکہ حضرت آصف نبی نہ تھے۔ اسے کرامت ہی کہا جائے گا۔ اگر معجزہ ہوتا تو حضرت سلیمان علیہ السلام سے ظہور پذیر ہوتا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سیدنا مریم علیہا السلام کے قصہ کی خبر دی کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام ان کے پاس تشریف لائے تو ان کے ہاں گرمی کے موسم میں سردی کے میوے اور پھل تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا، تمھارے پاس یہ میوے کہاں سے آئے؟

حضرت مریم نے کہا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت مریم نبی نہ تھیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کی واضح طور پر خبر دی اور فرمایا۔

"اے مریم! درخت کی ٹہنی اپنی طرف ہلاؤ، وہ تم پر تر و تازہ کھجوریں گرائے گا۔"

احادیث صحیحہ میں نبی کریم ﷺ کی حدیثِ غار مروی ہے کہ ایک روز صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! گزشتہ امتوں کے احوال میں سے کوئی عجیب چیز بیان فرمائیں۔"

حضور ﷺ نے فرمایا۔ تم سے پہلے گزشتہ زمانہ میں تین شخص کہیں جا رہے تھے۔ جب رات کا وقت آیا تو ایک غار میں چلے گئے اور وہاں سو گئے۔ جب رات کا ایک پہر گزر گیا تو پہاڑ سے ایک بڑا پتھر لڑھکا اور غار کے منہ پر آ کر گرا جس سے غار کا منہ

بند ہو گیا۔ سب پریشان ہو گئے اور سب کہنے لگے کہ یہاں سے ہمیں اس وقت تک نجات نہیں مل سکتی، جب تک کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے لیے دکھاوے کے افعال کو یاد کر کے خدا سے ان کی شفاعت حاصل نہیں کرتا۔ اس کے مطابق ایک نے کہا:

''میرے ماں باپ تھے اور میرے پاس دنیاوی مال میں سے سوائے ایک بکری کے کچھ نہ تھا۔ اس کا دودھ ماں باپ کو پلاتا۔ روزانہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ لاتا اور انھیں فروخت کر کے اپنا اور ان کا کھانا تیار کرتا۔ ایک رات میں کچھ دیر سے آیا اور وہ دودھ اور کھانا لانے سے پہلے ہی سو گئے، میں نے بھی کچھ نہ کھایا پیا اور دودھ کا پیالہ ہاتھ میں لیے ساری رات ان کے بیدار ہونے کے انتظار میں کھڑا رہا، جب صبح ہوئی اور میرے ماں باپ بیدار ہوئے میں نے انھیں کھانا کھلایا تب کہیں بیٹھا۔ یہ واقعہ سنانے کے بعد اس نے دعا مانگی۔

''اے خدا! اگر میں سچ کہہ رہا ہوں تو ہمارے لیے راستہ کھول دے اور ہماری فریاد کو قبول فرما۔''

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اس وقت وہ پتھر ہلا اور تھوڑا سا شگاف پیدا ہو گیا۔

دوسرے نے کہا۔

میرے چچا کی ایک خوبصورت لڑکی تھی میں اس پر عاشق تھا۔ میں اسے بلاتا لیکن وہ انکار کر دیتی ایک دفعہ میں نے بہانہ سے دو ہزار اشرفیاں دیں تاکہ وہ میرے پاس آ جائے جب وہ آئی تو میرا دل خوفِ خدا سے کانپ اُٹھا۔ میں نے اسے چھوڑ دیا اور اشرفیاں بھی اسی کے پاس رہنے دیں۔ پھر دُعا مانگی۔

''اے خدا! اگر میں سچ کہہ رہا ہوں تو ہمارے لیے کشادگی پیدا فرما۔''

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس وقت پتھر نے پھر حرکت کی اور شگاف کچھ زیادہ ہو گیا لیکن ابھی اس شگاف میں سے ان کا نکلنا مشکل تھا۔

تیسرے نے کہنا شروع کیا۔ میرے پاس کچھ مزدور کام کرتے تھے جب کام ختم ہو گیا تو میں نے تمام مزدوروں کی اُجرت دے کر رخصت کر دیا، لیکن ان میں سے ایک مزدور غائب تھا۔ میں نے اس کی مزدوری کی اُجرت سے ایک بھیڑ خرید لی۔ دوسرے سال وہ دو ہو گئیں اور تیسرے سال چار ہو گئیں۔ ہر سال اسی طرح بھیڑوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ چند سال وہ بڑے ریوڑ میں تبدیل ہو گئیں۔ اتفاق سے وہ مزدور آ گیا اور کہنے لگا تمھیں یاد ہو گا کہ بہت عرصہ پہلے میں نے تمھاری مزدوری کی تھی۔ لہٰذا میری اُجرت ادا کر دو۔ میں نے اس کہا، وہ تمام بھیڑیں تمھارا مال ہے تم اس کے مالک ہو، مزدور سمجھا کہ میں اس سے مذاق کر رہا ہوں، لیکن میں نے اسے یقین دلایا اور کہا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں میں نے وہ تمام مال تمھارے لیے ہی جمع کر کے رکھا ہے تم اُسے لے جاؤ۔ یہ واقعہ سنا کر اس نے دعا مانگی۔ ''اے خدا! اگر میں سچ کہہ رہا ہوں تو ہمارے لیے کشادگی فرما''

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ پتھر غار کے دہانے سے ہٹ گیا اور تینوں شخص باہر نکل آئے۔

نبی کریم ﷺ سے جریج راہب کی حدیث مشہور ہے اور حضور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

بچپن میں جھولے میں کسی نے کلام نہ کیا مگر تین شخصوں نے، جن میں ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ دوسرے بنی اسرائیل میں جریج نامی راہب کے لیے، جو ایک مجتہد شخص تھا۔ اس کی ماں پردہ نشین تھی۔ ایک دن وہ اپنے بیٹے جریج کو دیکھنے آئی وہ خانہ خدا کے حجرہ میں نماز ادا کر رہا تھا۔ دروازہ نہ کھلا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی دروازہ نہ کھلا اور اس کی ماں نے دل برداشتہ ہو کر کہا۔

''اے خدا! میرے بیٹے کو رسوا کر کے میرے حق میں پکڑ لے''

اسی دوران ایک عورت نے ایک گروہ کی خوشامد میں کہا کہ میں جریج کو بے راہ کر دوں گی۔ وہ اس خیال سے اُس کے حجرے میں آئی لیکن جُریج نے اس کی طرف التفات تک نہ کیا۔ راستہ مین ایک چرواہے کے پاس اُس نے رات گزاری وہ اس سے حاملہ ہوگئی۔ جب وہ آبادی میں آئی تو کہنے لگی۔

''یہ حمل جُریج کا ہے۔''

جب اُس نے ایک بچے کو جنم دیا تو لوگوں نے جریج کے حجرے میں گُھس کر اُسے پکڑ لیا اور بادشاہ کے سامنے آ گئے۔ اُس وقت جریج نے بچے کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

اے بچے! بتا تیرا باپ کون ہے؟

بچے نے جواب دیا۔ اے جریج! میری ماں نے تم پر الزام لگایا ہے۔ میرا باپ فلاں چرواہا ہے۔''

تیسرا ایک اور عورت کا بچہ تھا جو اپنے گھر کے دروازہ پر خوبصورت لباس پہنے بیٹھے تھی ایک حسین وجمیل سوار اس طرف سے گزرا اور عورت نے دُعا مانگی۔

''اے خدا! میرے اس بچے کو اس سوار کی مانند بنا دے۔'' بچہ نے فوراً کہا۔ اے خدا مجھے ایسا نہ کر۔ تھوڑی دیر بعد ایک بدنام عورت گزری۔ بچے کی ماں نے کہا۔ ''اے خدا میرے اس بچے کو اس عورت جیسا نہ بنا۔'' اسی وقت بچے نے کہا۔ ''اے خدا! مجھے اس عورت جیسا بنا دے۔ بچے نے جواب دیا۔ وہ سوار مغرور اور ظالم ہے اور یہ عورت اصلاح پسند ہے لیکن اسے لوگ بُرا کہتے ہیں مگر وہ اسے پہچان نہیں سکتے، میں نہیں چاہتا کہ میں ظالموں اور متکبروں میں سے ہو جاؤں، میں چاہتا ہوں کہ اصلاح کنندہ بنوں۔''

ایک حدیث امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باندی زائدہ

کی بہت مشہور ہے۔ ایک دن زائدہ رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور اس سلام عرض کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔

اے زائدہ! تم بہت دنوں بعد کیوں آئی ہو، تم فرمانبردار ہو اور میں تمھاری قدر کرتا ہوں۔ زائدہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! ایک عجیب بات سنانے آئی ہوں۔

فرمایا! وہ کیا بات ہے؟

زائدہ نے کہا۔ ''صبح کے وقت میں لکڑیاں تلاش کرنے لگی اور ایک گٹھا باندھ کر پتھر پر رکھا تا کہ اسے اُٹھاؤں تو میں نے ایک سوار کو آسمان سے زمین پر اُترتے دیکھا اُس نے مجھے سلام کیا۔ پھر کہنے لگا۔ حضور ﷺ سے میرا سلام عرض کرنا اور کہنا رضوان نامی خازنِ جنت نے پیش کیا ہے اور آپ کو بشارت دی ہے کہ جنت کو آپ کی اُمت کے لیے تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک ان کے لیے جو بے حساب جنت میں داخل ہوں گے اور دوسرے وہ لوگ جن پر حساب آسان ہوگا اور تیسرے میں آپ کی سفارش اور آپ کے وسیلے سے جنت میں جائیں گے۔ اتنا کہہ کر وہ آسمان پر چڑھنے لگے۔ پھر زمین و آسمان کے درمیان سے میری طرف متوجہ ہوئے۔ میں لکڑیوں کا گٹھا اٹھا رہی تھی اور وہ مجھ سے اُٹھایا نہیں جاتا تھا۔ انھوں نے کہا۔ اے زائدہ! اسے پتھر پر ہی رہنے دو اور پتھر سے کہا۔'' اے پتھر! اس پتھر کو زائدہ کے ساتھ حضرت عمر کے مکان تک لے جاؤ، اس پتھر نے ایسا ہی کیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تک پہنچا دیا۔ نبی کریم ﷺ اُٹھے اور اپنے صحابہ کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لائے اور پتھر کے آنے جانے کا نشان ملاحظہ فرمایا اور حضور نے فرمایا الحمدللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا سے اس حال میں رخصت فرمایا ہے کہ رضوان کے ذریعہ میری اُمت کی بشارت مرحمت فرمائی اور میری اُمت میں سے ایک عورت کو جس کا نام زائدہ ہے اسے مریم علیہا السلام کے درجہ پر فائز فرمایا۔

مشہور واقعہ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا۔لشکر کی راہ میں ایک دریا آ گیا۔تمام لشکر والوں نے اس میں پاؤں ڈال دیے، سب گزر گئے اور کسی کا پاؤں تک نہ بھیگا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ کسی سفر میں تھے دیکھا کہ ایک جماعت راہ کے کنارے خوف زدہ کھڑی تھی اور ایک شیر اُن کا راستہ رو کے کھڑا ہے۔حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا۔

اے کُتے !اگر تو اللہ کے حکم سے راستہ روک کر کھڑا ہے تو راستہ نہ دے۔اگر نہیں تو ہمارا راستہ چھوڑ دے تا کہ ہم گزر جائیں۔شیر اُٹھا، اُن کے آگے سر جھکایا اور راستہ سے ہٹ گیا۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے ہوا میں ایک شخص کو اُترتے ہوئے دیکھا۔ انھوں نے اس شخص سے پوچھا۔اے خدا! کے بندے تجھے یہ کمال کس چیز سے حاصل ہوا ہے۔بولا تھوڑی سی چیز سے۔دریافت فرمایا۔وہ کیا چیز ہے؟

اس نے کہا: میں نے دنیا سے منہ موڑ لیا ہے اور خدا کے فرمان سے دل لگا لیا ہے۔یہ کہہ کر اس نے مجھ سے پوچھا، تم کیا چاہتے ہو؟

انھوں نے جواب دیا: ایک مکان ہوا میں میرے لیے ہوتا تا کہ میرا دل لوگوں سے جُدا ہو جائے۔

ایک بہادر عجمی مدینہ میں آیا۔اس نے حضرت عمر فاروق کے بارے میں پوچھا۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ فلاں جھونپڑی میں سو رہے ہیں۔وہ وہاں گیا اور اُن کو اس حال میں سویا ہوا پایا کہ کوڑہ اُن کے سر کے نیچے تھا۔عجمی نے دل میں سوچا۔جہان میں سارا فتنہ انہی کا ہے اس وقت ان کا مار ڈالنا میرے لیے بہت آسان ہے۔اس نے ان کو قتل کرنے کے لیے تلوار سونتی لیکن اتنے میں دو شیر نمودار ہوئے دونوں نے اس پر حملہ

کر دیا۔اس نے مدد کے لئے چیخ بلند کی، اتنے میں حضرت عمر بیدار ہو گئے۔اُس نے سارا قصہ کہہ کر اسلام قبول کر لیا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سوادِ عراق سے تحفوں میں ایک ڈبہ لائے، جس میں زہر قاتل تھا اور اس سے زیادہ سخت زہر کوئی اور نہ تھا۔انھوں اس ڈبہ کھولا اور زہر نے کوئی نقصان نہ پہنچایا، لوگ حیران رہ گئے اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ عابدوں میں سے ایک حبشی عابد تھا جو ویرانوں میں رہتا تھا۔ایک دن میں بازار سے کچھ خرید کر اس کے پاس لے گیا۔اس نے پوچھا کیا چیز ہے؟ میں نے جواب دیا کھانا لایا ہوں۔

وہ میری طرف دیکھ کر ہنسا اور ہاتھ کا اشارہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ اس ویران مکان کے تمام اینٹ اور پتھر سونے کے بن گئے۔ میں اپنے کیے پر نادم ہوا اور جو کچھ لے کر گیا تھا، وہیں چھوڑ کر عابد کے دبدبہ سے بھاگ کھڑا ہوا۔

حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک چرواہے کے پاس سے گزرا اور اس نے پینے کے لیے پانی طلب کیا۔اس نے کہا۔میرے پاس تو دودھ ہے پانی کیوں مانگتے ہو۔

میں نے کہا۔ مجھے پانی ہی چاہیئے۔

وہ اُٹھا اور لکڑی کو پتھر پر مارا۔ اس پتھر سے صاف وشیریں پانی جاری ہو گیا۔ میں اس سے حیران ہو گیا۔ اس نے مجھے کہا۔ اس میں حیران ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ جب بندہ حق تعالیٰ کا فرمان بردار ہو جاتا ہے تو سارا جہان اس کے حکم کے ماتحت ہو جاتا ہے۔

حضرت ابودرد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے اور کھانے میں سے تسبیح کے کلمات سُن رہے تھے۔

حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں جنگل میں جا رہا تھا اور معمول تھا کہ ہر تیسرے روز کھانا کھاتا تھا، جب تیسرے دن کے بعد تیسرا دن گزر گیا تو کھانا نہ ملنے کی وجہ سے کمزوری محسوس ہونے لگی اور طبیعت کھانے کو چاہنے لگی۔ ایک جگہ بیٹھ گیا۔ غیب سے آواز آئی۔ اے ابوسعید! نفس کے آرام کے لیے کھانا چاہتے ہو یا وہ سبب چاہتے ہو جس سے بغیر غذا کی کمزوری دُور ہو جائے۔ میں نے عرض کیا۔ "اے خدا! مجھے قوت دے، اسی وقت توانائی آ گئی اور میں اُٹھ کر بغیر کھائے پیے بارہ منزلیں اور طے کر لیں۔

مشہور ہے کہ شہر تستر میں حضرت سہل بن عبداللہ تستری کے گھر کو لوگ بیت السباع کہتے ہیں اور تستر کے رہنے والے اس پر متفق ہیں کہ ان کے پاس بکثرت درندے اور شیر آتے۔ وہ ان کو کھانا کھلاتے اور خاطر داری کرتے تھے۔

حضرت ابوالقاسم مروزی رحمۃ اللہ علی فرماتے ہیں کہ میں ابوسعید خرازی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ دریا کے کنارے جا رہا تھا۔ میں نے ایک گدڑی پوش نوجوان کو دیکھا اور توشہ دان پہاڑ کی کھوہ میں لٹکا ہوا تھا۔ حضرت ابوسعید نے فرمایا اس جوان کی پیشانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ طریقت میں کوئی منزل رکھتا ہے، جب اس طرف دیکھتا ہوں اور کہتا ہوں کہ یہ مقصد کو پہنچا ہوا ہے اور جب توشہ دان کی طرف نظر ڈالتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ یہ ابھی طالب راہ ہے۔ آؤ اس سے پوچھیں کہ حقیقت کیا ہے۔

چنانچہ ابوسعید نے پوچھا۔ "اے جوان! خدا کی راہ کونسی ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ خدا کے راستے دو ہیں، ایک عوام کی راہ ہے دوسرے خواص کی راہ، مگر تمھیں خواص کی راہ کا پتہ ہی نہیں ہے لیکن عوام کی راہ وہ ہے جس پر تم گامزن

اور اپنی ریاضت و مجاہدہ کو وصولِ حق کا ذریعہ بنائے ہوئے ہو اور توشہ دان کو حجاب کا سبب سمجھتے ہو۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایک جماعت کے ساتھ کشتی میں بیٹھا مصر سے جدہ کا سفر کر رہا تھا اور کشتی میں ایک جوان گدڑی پہنے ہم سفر تھا۔ میری خواہش تھی کہ میں اس کی صحبت میں بیٹھوں مگر اس کی ہیبت اتنی تھی کہ بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی کیونکہ وہ بہت ہی معزز تھا اس کا کوئی وقت عبادت سے خالی نہ تھا۔ اس دوران ایک روز ایک شخص کی جواہرات کی تھیلی گم ہوگئی۔ تھیلی کے مالک نے اس جوان پر الزام لگایا اور اس پر سختی کرنا چاہی۔ میں نے اس سے کہا۔ تم اس سے بات نہ کرو میں اس سے خوب اچھی طرح معلوم کر لیتا ہوں۔ میں اس کے پاس گیا اور اس سے انتہائی نرمی سے بات کی اور بتایا کہ یہ لوگ تم پر اس قسم کا شک کر رہے ہیں۔ میں ان کو سختی کرنے سے باز رکھا ہے۔ اب تم بتاؤ کہ کیا کیا جائے۔
اُس نے یہ سن کر آسمان کی طرف سر اُٹھایا اور کچھ پڑھا اسی لمحے میں نے دیکھا کہ مچھلیاں پانی سے منہ نکالے ہوئے ہیں اور ہر ایک کے منہ میں ایک ایک موتی ہے۔ اس جوان نے ایک مچھلی کے منہ سے موتی لیا اور اس شخص کو دے دیا۔ کشتی میں تمام لوگ اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ وہ جوان اپنی جگہ سے اٹھا اور پانی پر پاؤں رکھ کر چلا گیا۔ جس شخص نے تھیلی چرائی تھی، وہ کشتی میں ہی تھا اس نے فوراً تھیلی نکال کر مالک کو واپس کر دی اور تمام کشتی والے شرمندہ ہو کر رہ گئے۔

حضرت ابراہیم دقی رحمۃ اللہ علی بیان کرتے ہیں کہ میں ابتدائی احوال میں حضرت مسلم مغربی کی زیارت کرنے گیا۔ جب میں مسجد میں داخل ہوا تو وہ امامت کرر ہے تھے اور الحمد غلط پڑھ رہے تھے۔ میں نے دل میں سوچا کہ میری محنت ضائع ہوگئی۔ اس رات میں وہیں رہا۔ دوسرے دن طہارت کے لیے اُٹھا تا کہ نہر فرات کے

کنارے جا کر وضو کروں، راستہ میں دیکھا کہ ایک شیر راہ میں سو رہا ہے۔ میں لوٹ آیا اور دیکھا کہ ایک شیر میرے پیچھے دھاڑتا ہوا آ رہا ہے میں مجبور ہو کر رہ گیا اس وقت حضرت مسلم اپنے حُجرے سے باہر نکل آئے جب شیروں نے انھیں دیکھا تو سر جھکا کر کھڑے ہو گئے، انھوں نے ہر ایک کو کان سے پکڑ سرزنش کی اور فرمایا۔

اے خدا کے کُتو! میں نے تم سے نہیں کہہ رکھا تھا کہ میرے مہمانوں کو پریشان نہ کیا کرو اور اس کے بعد مجھ سے فرمایا۔ اے ابو اسحٰق! تم لوگوں کے لیے ظاہری دُرستگی کے درپے ہو اور تم خلق سے ڈرتے ہو اور میں اللہ تعالیٰ کے لیے باطن کی درستگی میں مشغول ہوں اور مخلوق خدا ہم سے ڈرتی ہے۔

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میرے مرشد برحق رحمۃ اللہ علی نے بیت الجن سے دمشق جانے کا ارادہ فرمایا۔ بارش ہو رہی تھی، کیچڑ میں چلنا مشکل ہو رہا تھا۔ میں نے جب اپنے مُرشد کی طرف دیکھا تو ان کے کپڑے اور جوتیاں خشک تھیں۔ میں نے ان سے عرض کیا تو فرمایا۔

''ہاں جب سے میں نے توکل کی راہ میں اپنے خواہش وارادہ کو ختم کر کے باطن کو لالچ کی وحشت سے محفوظ کر لیا ہے۔ اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے کیچڑ سے بچا لیا ہے۔

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک ایسا واقعہ میرے ساتھ پیش آیا کہ اسے حل کرنا میرے لیے دُشوار ہو گیا۔ میں نے شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کرنے کے لیے طوس جانے کا ارادہ کیا۔ میں نے ان کو وہاں مکان کی مسجد میں تنہا پایا اور وہ میرے ساتھ اس وقعہ کو بعینہٖ مسجد کے ایک ستون سے بیان کر رہے تھے۔ میں نے عرض کیا! یا شیخ! یہ بات آپ کس سے فرما رہے تھے؟

فرمانے لگے۔ ''اے بیٹے! اللہ تعالیٰ نے اسی وقت اس ستون کو مجھ سے بات

کرنے کا حکم فرمایا تھا تا کہ وہ مجھ سے سوال کرے۔

فرغانہ میں سلانگ نامی ایک گاؤں ہے اور حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس گاؤں میں ایک بزرگ زمین کے اوتاد میں سے تھے۔ جنھیں لوگ باب عمر کے نام سے پکارتے تھے۔ اس شہر کے تمام درویش سب سے بڑے بزرگ کو باب کہتے ہیں اُن کے ہاں فاطمہ نام کی ایک بوڑھی عورت تھی میں نے اس کی زیارت کا ارادہ کیا جب میں ان کے سامنے پہنچا تو انھوں نے پوچھا۔ کس لیے آئے ہو؟

میں نے جواب دیا۔ آپ کی زیارت کے لیے۔

شیخ نے شفقت و مہربانی سے میری طرف دیکھا اور فرمایا۔ اے بیٹے! میں خود فلاں روز سے تمھیں دیکھ رہا ہوں اور جب تک تم مجھ سے غائب نہ کر دیے جاؤ تمھیں برابر دیکھتا رہوں گا جب میں نے ان کے بتائے ہوئے دیکھنے کے دن پر غور کیا تو وہی روز و سال تھا جو میری توبہ و بیعت کا ابتدائی دن تھا۔ پھر فرمایا! اے بیٹے! مسافت طے کرنا بچوں کا کام ہے لہٰذا اس زیارت کے بعد ہمت کرو کہ حضور قلب حاصل ہو جائے۔ اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا۔ اے فاطمہ! جو ہو لے آؤ تا کہ یہ درویش کھائے وہ ایک طباق تازہ انگوروں کا لائی حالانکہ وہ موسم انگوروں کا نہ تھا۔ اس طباق میں کچھ تازہ کھجوریں بھی تھیں۔ فرغانہ میں کھجوریں ہوتی ہی نہ تھیں۔ حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ مہینہ میں ایک دن حضرت شیخ ابو سعید کے مزار پر عادت کے مطابق تنہا بیٹھا تھا کہ میں نے ایک سفید کبوتر دیکھا۔ وہ اُڑتا ہوا آیا اور قبر کے اوپر پڑی ہوئی چادر کے نیچے چلا گیا۔ میں نے خیال کیا کہ شاید یہ کسی کا چھوڑا ہوا ہو۔ جب میں اُٹھا اور چادر کے نیچے نگاہ ڈالی تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔ میں حیرت و تعجب میں ڈوب گیا۔ یہاں تک کہ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا اور اس واقعہ کے بارے میں دریافت فرمایا۔

''وہ کبوتر میرے معاملہ کی صفائی ہے جو روزانہ قبر میں میری ہم نشینی کے لیے آتا ہے۔''

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

میں نے دیکھا میرا بھید آسمانوں پر لے جایا گیا۔ کسی چیز پر نگاہ نہ ڈالی جنت و دوزخ دکھائے گئے، ان کی طرف بھی نگاہ نہ ڈالی، موجودات وحجابات سے گزرا گیا۔ ان کی طرف بھی التفات نہ کیا، اس وقت میں پرندہ بن گیا۔ اس کا جسم احدیت سے تھا، ذات حق کی محبت میں برابر پرواز کرتا رہا۔ یہاں تک کہ میں مقام تنزیہہ سے گزرا اور الالیت کے میدان سے مشرف ہوا۔ وہاں احدیت کے درخت کو میں نے دیکھا۔ جب میں نے نگاہ ڈالی تو وہ سب کچھ میں ہی تھا، مناجات کی۔

''اے خدا! میری خودی کو تیری طرف راستہ نہیں ملتا اور مجھے اپنی خودی سے کوئی راہ نکلتے نظر نہیں آتی، رہنمائی فرما کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے''۔

فرمان الٰہی ہوا۔''اے بایزید! تمھاری اپنی خودی سے نجات ہمارے دوست کی متابعت سے وابستہ ہے، اپنی آنکھوں کیلئے اس کے قدموں کی خاک کو سُرمہ بنا اور اسی کی پیروی میں ہمیشہ مصروف رہو۔

جب فرشتوں کا فخر عبادت ومجاہدہ حد سے بڑھ گیا اور ہر ایک نے اپنے معاملہ کی صفائی کو اپنی دلیل بنا کر انسانوں کے حق میں زبانِ ملامت دراز کی تو حق تعالیٰ نے چاہا کہ ان کا حال ان پر ظاہر فرمادے تو فرمایا۔

اے فرشتو! اپنے میں سے تین ایسے بزرگ ترافراد کو منتخب کرلو جن پر تمھیں اعتماد ہو۔ وہ زمین پر جا کر زمین کے خلیفہ ہو جائیں اور مخلوق الٰہی کو فلاح وراستی پر لائیں اور انسانوں میں عدل وانصاف کریں۔ فرشتوں نے تین فرشتے چُن لیے۔ اُن میں سے ایک تو زمین پر آنے سے پہلے زمین کی آفتوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے درخواست کرنے

لگا کہ مجھے زمین پر نہ بھیجا جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے روک دیا۔ اور باقی دو فرشتے زمین پر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی خلقت و سرشت کو بدل دیا تاکہ کھانے پینے کے خواہشمند ہوں اور شہوت کی طرف مائل ہوں۔ یہاں تک کہ اس پر انھیں قابل سزا قرار دیا اور فرشتوں نے آدمیوں کی فضیلت کو اپنے حوالے سے ظاہری طور پر جان لیا۔

فرقہ خفیفہ کے پیشوا!! ابوعبداللہ محمد بن خفیف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں ظاہری و باطنی علوم کے عالم تھے۔ وہ نفسانی خواہشوں کی پیروی سے کنارہ کش تھے، انھوں نے چار سو نکاح کیے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بادشاہ کے خاندان سے تھے، جس وقت انھوں نے توبہ کی تو شیراز کے تمام لوگ ان سے محبت کرنے لگے جب ان کا حال عظیم ہو گیا۔ تو شاہی خاندان اور روسا کی لڑکیاں تبرک کی خاطر اُن سے نکاح کی خواہش کرنے لگیں، وہ ان سے نکاح کرتے اور پہلی ہی رات طلاق دے دیا کرتے تھے۔ لیکن چالیس بیویاں ایسی تھیں جنھوں نے ایک ایک، دو دو یا تین تین راتیں ان کے ساتھ گزاری تھیں، ان میں سے صرف ایک بیوی چالیس سال تک ان کی صحبت میں رہی، وہ ایک وزیر کی بیٹی تھی۔

حضرت ابوالحسن علی بن بکران شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے دورِ حکومت میں عورتوں کی ایک جماعت اکٹھی بیٹھی اور آپس میں باتیں کرنے لگین۔ ان سب کا اس پر اتفاق تھا کہ اس بزرگ سے خلوت و تنہائی میں کسی قسم کی شہوت رانی نہیں دیکھی گئی۔ ہر ایک کے دل میں وسوسے پیدا ہوتے تھے اور وہ حیران تھیں۔ اس سے پہلے بھی ہر ایک جانتا تھا کہ وہ شہوت کا ایک خاص مزاج رکھتے ہیں۔ سب یہی کہتے تھے کہ ان کی صحبت کا راز وزیرزادی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کیونکہ وہ ان کی صحبت میں سالہا سال رہی ہے وہ سب عورتوں سے محبوبہ تھی۔ حضرت ابوالحسن فرماتے ہیں کہ ہم نے دو آدمیوں کو چُن کر وزیرزادی کے پاس بھیجا۔ انھوں نے اس پوچھا۔ چونکہ شیخ

کو تم سے بڑی محبت رہی ہے۔ اس لیے ہمیں ان کی صحبت کی کوئی خاص بات بتاؤ۔ وزیرزادی نے کہا۔ جس دن میں ان کے نکاح میں آئی تو کسی نے مجھ سے کہا کہ آج شیخ تمھارے پاس رہیں گے۔ میں نے عمدہ قسم کا کھانا تیار کیا، اور خود آراستہ و پیراستہ ہو کر اُن کے انتظار میں بیٹھ گئی جب وہ آئے تو میں نے کھانا آگے رکھا۔ انھوں نے مجھے بلایا اور کچھ دیر مجھے اپنی آستین میں لے گئے میں نے سینے سے ناف تک پیٹ کے اندرونی حصہ میں پندرہ گرہیں پڑی ہوئی پائیں۔ انھوں نے فرمایا۔ اے وزیر کی لڑکی! پوچھو کہ یہ کیسی گرہیں ہیں؟ میرے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ یہ سب صبر کی شدت کی بنا پر ہیں کیونکہ میں نے خوبصورت چہروں اور اعلیٰ کھانوں پر صبر کیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ان سے سب سے بڑا جو میرا معاملہ ہوا یہی ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی غرض سے ان کے آستانہ پر حاضر ہوا۔ دروازے پر پہنچ کر اس نے دستک دی حضرت بایزید نے پوچھا۔

کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟

مرید نے جواب دیا۔ ''بایزید کی زیارت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔''

حضرت بایزید نے پوچھا۔ بایزید کون ہے؟ کہاں ہے اور وہ کیا ہے؟ میں مدت سے بایزید کو تلاش کر رہا ہوں لیکن وہ مجھے نہیں ملا۔

مرید نے واپس آکر حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے سارا واقعہ عرض کیا، انھوں نے فرمایا۔ میرے عزیز! بایزید تو خدا کی طرف جانے والوں میں جا ملا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص نے درخواست کی۔ ''کچھ عرصہ کے لیے میرے پاس آکر کچھ باتیں کریں۔ کیونکہ میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

حضرت جنید نے فرمایا۔

''اے جواں مرد! تم مجھ سے وہ چاہتے ہو، جسے عرصہ دراز سے میں خود چاہتا ہوں۔ برسوں سے اسی تمنا سے ہوں کہ ایک لمحہ کے لیے تو میں اپنے آپ میں موجود ہوں، لیکن اب تک ایسا وقت نہیں آیا اور اب تمھارے ساتھ میں کیسے رہ سکتا ہوں۔'' حضرت جنید فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایسا وقت بھی گزرا ہے کہ تمام زمین و آسمان والے میری پریشانی پر روتے تھے پھر ایسا زمانہ آیا کہ میں ان کے غائب ہو جانے پر روتا تھا۔ اب ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ مجھے نہ اپنی خبر ہے نہ زمین و آسمان کی۔

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ ایک دن اپنے حجرے میں تھے، باہر سے کسی نے کہا۔ کیا بایزید حجرے میں ہیں؟

انھوں نے فرمایا۔ حجرے میں بجز حق کے کوئی دوسرا نہیں ہے۔

ایک بزرگ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک درویش مکہ میں آیا۔ وہ خانہ کعبہ کے سامنے ایک سال تک اس طرح بیٹھ گیا کہ اس نے نہ کچھ کھایا نہ پیا۔، نہ سویا اور نہ ہی رفع حاجت کی۔ اس کی تمام ہمتیں خانہ کعبہ کے مشاہدہ ہی میں مجتمع تھیں۔ اس نے اپنے آپ کو خانہ کعبہ سے اس طرح منسوب کیا کہ اس کا دیدار ہی اس کے جسم کی غذا اور اس کی روح کا پانی بن گیا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں حضرت حضری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں سو گیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے دو فرشتے زمین پر آئے ہیں۔ میں نے کچھ عرصہ ان کی باتیں سنیں، ایک نے دوسرے سے کہا۔

جو کچھ یہ شخص کہتا ہے توحید کا علم ہے نہ کہ عین توحید۔

''جب میں بیدار ہوا تو حضرت حضری رحمۃ اللہ علیہ توحید کے بارے میں بیان فرما رہے تھے۔ انھوں نے میری طرف رُخ کر کے فرمایا: اے شخص! توحید کا بیان علم

کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔''

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کوفہ میں حضرت حسین بن منصور حلاج کی زیارت کے لیے گئے تو ان سے حضرت حسین منصور نے دریافت کیا۔

''اے ابراہیم! اب تک تمھارے دن اور رات کہاں اور کیسے گزرتے ہیں۔''

انھوں نے جواب دیا۔ اب تک اپنے توکل کو درست کیا ہے۔

حضرت حسین بن منصور نے فرمایا۔

اے ابراہیم! اپنے باطن کی آبادی میں تم نے عمر ضائع کر دی۔ ابھی تک تمھیں توحید میں فنا میسر نہیں آئی۔

توکل

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا۔ ایمان کی حقیقت کیا ہے؟

فرمایا! میں ابھی اس کا جواب نہیں دے سکتا کیونکہ جو کچھ کہوں گا وہ عبارت ولفظ ہوں گے اور میرے لیے مناسب یہ ہے کہ میں عمل کے ساتھ جواب دوں، لیکن میں مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ تم بھی میرے ساتھ اسی غرض کے لیے چلو تا کہ اس سوال کا جواب پا سکو۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے ایسا ہی کیا، جب ہم ان کے ساتھ جنگل میں پہنچے تو ہر روز دو روٹیاں اور دو گلاس پانی کے غیب سے نمودار ہوتے رہے، جو ایک میرے سامنے رکھ دیتے اور ایک اپنے آگے۔ یہاں تک کہ اسی جنگل میں ایک روز ایک بوڑھا سوار آیا جب اس نے ہمیں دیکھا تو گھوڑے سے اتر آیا۔ ایک دوسرے کی مزاج پرسی کے بعد کچھ دیر باتیں کیں، پھر وہ گھوڑے پر سوار ہو کر واپس چلا گیا۔

میں نے عرض کیا۔ "اے شیخ! کیا آپ بتائیں گے کہ وہ کون تھا۔"

فرمایا: یہ تمھارے سوال کا جواب تھا۔

میں نے کہا وہ کیسے؟

فرمایا: وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ انھوں نے میرے ساتھ رہنے کی اجازت چاہی میں نے منظور نہیں کیا۔ میں نے پوچھا۔ کیوں؟

فرمایا! میں نے خوف کیا کہ ان کی صحبت میں میرا اعتماد حق تعالیٰ کے سوا ان کے ساتھ ہو جائے گا۔ میرا توکل خراب و برباد ہو جائے گا۔ حالانکہ ایمان کی حقیقت توکل کی حفاظت ہے۔

باطنی اور ظاہری پاکیزگی

حضرت ابو طاہر حرمی رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ میں چالیس سال اس حال میں مقیم رہے کہ کبھی رفع حاجت نہ کی، جب وہ حدودِ حرم سے باہر رفع حاجت کے لیے جاتے انھیں یہ خیال گھیر لیتا کہ یہ وہ زمین ہے جسے حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ منسوب فرمایا ہے۔ مَیں استعمال شدہ پانی بھی اس جگہ گرانا مکروہ جانتا ہوں۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ رے کی جامع مسجد میں مرضِ اسہال میں مبتلا ہو گئے انھوں نے ایک رات دن میں ساٹھ مرتبہ غُسل کیا اور آخر کار ان کی وفات پانی میں ہوئی۔

حضرت ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ عرصہ تک طہارت کے بارے میں وسوسہ کی بلا میں مبتلا رہے، فرماتے ہیں کہ ایک دن دریا میں صبح سے ٹھہرا ہوا تھا یہاں تک کہ سورج نکل آیا اور میں پانی میں ہی تھا۔ اس وقت میرے دل میں ملال آیا اور میں نے خدا سے استدعا کی۔ العافیہ العافیہ۔

دریا میں مجھے غیبی آواز سنائی دی۔ العافیۃ فی العلم۔ آرام علم میں ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے بیماری میں ایک نماز کے لیے ساٹھ مرتبہ طہارت کی۔ اس مرضِ موت میں دنیا سے انتقال کے وقت خدا سے دعا مانگی۔ اے خدا! موت کا حکم اس وقت آئے جب میں پاک ہوں۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن مسجد میں جانے کے لیے طہارت کی، تو اُنھوں نے ایک غیبی آواز سُنی۔ تم نے ظاہر کو آراستہ کرلیا ہے۔ باطن کی صفائی کہاں ہے؟

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ واپس آئے اور اپنا تمام ساز و سامان تقسیم کر دیا اور ایک سال تک صرف اتنا ہی کپڑا پہنا جس سے نماز جائز ہو سکے۔ پھر جب وہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے تو حضرت جنید نے فرمایا:

اے ابو بکر! جو طہارت تم نے کی ہے، وہ بہت فائدہ مند ہے۔ اللہ تعالیٰ اس طہارت پر تمھیں قائم رکھے۔

اس کے بعد حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ آخر وقت تک بے طہارت نہ رہے۔ اُن کے انتقال کا وقت آیا تو ان کی طہارت زائل ہوگئی۔ آپ نے ایک مرید کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ وہ طہارت کرائے۔ مرید نے طہارت کرائی، لیکن داڑھی میں خلال کرنا بھول گیا۔ اس وقت ان میں بولنے کی طاقت نہ تھی کہ زبان سے فرماتے۔ انھوں نے مرید کا ہاتھ پکڑ کر داڑھی کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور اس نے خلال کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی بھی طہارت کے آداب میں سے کوئی ادب ترک نہیں کیا۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن طہارت کی، جب مسجد میں داخل ہونے کے لیے دروازہ تک آئے تو ان کے دل میں آواز آئی۔

اے ابو بکر! تم ایسی طہارت رکھتے ہو اور اس گستاخی کے ساتھ ہمارے گھر میں

داخل ہونا چاہتے ہو۔ یہ سن کر وہ واپس آنے لگے تو آواز آئی۔

کہاں جارہے ہو؟

حضرت شبلی نے چیخ ماری اور آواز آئی۔ طعنہ کرتے ہو۔ وہ اپنی جگہ پر خاموش کھڑے ہو گئے۔ آواز آئی۔

تم ہم پر بلا کے تحمل کا دعویٰ کرتے ہو۔ اس وقت حضرت شبلی نے پکارا۔

''اے خدا! تیری جانب سے تیری ہی طرف فریاد ہے۔''

توبہ

حضرت ابوعمرو نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ میں نے ابتداء میں حضرت ابوعثمان کی مجلس میں توبہ کی اور اس پر کچھ عرصہ قائم رہا۔ پھر میرے دل میں گناہ کی خواہش پیدا ہوئی اور میں گناہ کا مرتکب ہو گیا۔ جس کی وجہ سے اس بزرگ کی صحبت سے کنارہ کشی پر مجبور ہو گیا۔ میں جب بھی اُنھیں دور سے آتے ہوئے دیکھتا تو مارے شرمندگی کے دور بھاگ جاتا کہ ان کی نظر مجھ پر نہ پڑ جائے۔ ایک روز اتفاق سے میرا ان سے آمنا سامنا ہو گیا۔

انھوں نے فرمایا۔ اے فرزند! تم اپنے دشمنوں کی صحبت اختیار کرو۔ مگر اس وقت جبکہ تم معصوم ہو جاؤ اس لیے کہ دشمن تمھارے عیب کو دیکھتا ہے اور تمھارے عیب دار ہونے سے اُس کو خوشی ہوتی ہے اور جب تم معصوم ہو جاتے ہو وہ غمزدہ ہو جاتا ہے۔ اگر تمھاری خواہش یہی ہے کہ گناہ کرو تو ہمارے پاس آیا کرو تا کہ ہم مصیبت و بلا سے میں تمھاری حفاظت کریں اور تمھارے دشمن کو خوش ہونے کا موقع نہ دیں۔ ابوعمرو کہتے ہیں کہ پھر میرا دل گناہ سے سیر ہو گیا اور گناہ سے سچی توبہ مل گئی۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کے بارے

میں سنا کہ اس نے گناہوں سے توبہ کرنے کے بعد پھر گناہ کا ارتکاب کیا۔ اس وقت وہ شرمندہ ہو گیا۔ ایک دن اس نے اپنے دل میں کہا اگر میں پھر آؤں تو میرا حال کیا ہوگا؟

اسی وقت ہاتف نے آواز دی۔

تو نے ہماری اطاعت کی ہم نے اسے قبول کیا۔ پھر تم نے بے وفائی کی اور ہمیں چھوڑ دیا تو ہم نے تمھیں مہلت دی۔ اگر تم پھر توبہ کرو اور ہماری جانب لوٹ آؤ تو ہم تمھیں پھر قبول کرلیں گے۔

نماز

نبی کریم ﷺ جب نماز ادا فرماتے تو آپ کے دل میں ایسا جوش اٹھتا جیسے دیگ میں جوش اٹھتا ہے۔

سیدنا علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ جب نماز کا ارادہ فرماتے تو ان کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا اور فرماتے کہ اس امانت کے ادا کرنے کا وقت آ گیا ہے جس کا بوجھ زمین آسمان اٹھانے سے عاجز آ گئے تھے۔

حضرت حاتم اصم سے ایک درویش نے پوچھا۔

آپ کس طرح نماز ادا کرتے ہیں؟

''فرمایا: جب اس کا وقت آتا ہے تو ایک ظاہری وضو کرتا ہوں اور دوسرا باطنی، ظاہری وضو پانی سے اور باطنی وضو توبہ سے، پھر جب مسجد میں آتا ہوں تو مسجد حرام کے سامنے اور اپنی دونوں ابروؤں کے درمیان مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رکھتا ہوں، اپنی داہنی جانب جنت اور بائیں جانب دوزخ کو دیکھتا ہوں، قدم میرا پل صراط پر ہوتا ہے اور ملک الموت کو اپنے پیچھے کھڑا گمان کرتا ہوں۔ اس حالت میں میں تکبیر تعظیم کے ساتھ، قیام حرمت کے ساتھ، قرات ہیبت کے ساتھ، رکوع تواضع کے

ساتھ، سجود تضرع ساتھ، جلوس حلم و وقار کے ساتھ اور سلام شکر کے ساتھ پھیرتا ہوں۔"

مشائخ طریقت نے اپنے مریدوں کو دن رات میں چار سو رکعات کا حکم دیا ہے تا کہ ان کا جسم عادت کا عادی بن جائے اور مشائخ طریقت نے اپنے مریدوں کو بتایا ہے کہ صاحبانِ استقامت بھی قبولیتِ حضور کے شکرانہ میں بکثرت نمازیں پڑھتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک رکھی گئی ہے۔" اس کا مطلب ہے کہ میری تمام راحتیں نماز میں ہیں۔ اسی لیے اہل استقامت کا مشرب نماز ہے رسول اللہ ﷺ کو جب معراج میں لے جایا گیا اور مقام قرب میں فائز کیا گیا آپ کے نفس کو دنیا کی قید سے آزاد کر دیا گیا اور اس درجہ میں پہنچایا گیا کہ آپ کا نفس دل کے درجہ میں، دل روح کے درجہ کے میں، روح سرّ کے مقام میں اور سر درجات میں فانی ہو گیا۔ مقامات کو محو کر کے نشانوں سے بے نشان اور مجاہدہ میں مشاہدہ سے غائب ہوا پھر معائنہ میں اس طرح فائز ہوئے کہ آپ کی انسانی اور بشری خصلت پراگندہ ہو گئی اور آپ کا نفسانی مادہ جل گیا، آپ کی اپنی طبعی قوت باقی نہ رہی۔ شواہد ربانی آپ کے اختیار میں نمایاں ہو گئے، اپنی خودی سے نکل کر معانی کی پہنائیوں میں پہنچ گئے۔ دائمی مشاہدہ حق میں کھو گئے اور اسرار شوق سے بے اختیاری کو اختیار کر کے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی کہ اے میرے رب مجھے ان بلاؤں کی جگہ واپس نہ کر۔ طبع و ہوا کو قید میں دوبارہ نہ ڈال۔ فرمان الٰہی آیا۔ "اے محبوب! ہمارا حکم ایسا ہی ہے کہ ہم تمھیں دنیا میں واپس بھیج دیں تا کہ تمھارے ذریعے شریعت کا قیام ہو اور جو کچھ ہم نے تمھیں یہاں عطا فرمایا ہے۔ وہاں بھی رحمت فرمائیں گے۔" حضور سید عالم ﷺ جب دنیا میں واپس تشریف لائے تو جب بھی آپ کا دل مقام معلّٰی کا مشتاق ہوتا۔ فرماتے۔ "بلال! نماز کی اذان دے کر ہمیں راحت پہنچاؤ۔" لٰہذا آپ کی ہر نماز معراج و قربت ہوتی۔ نماز میں اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کو دیکھتے، آپ کی جان نماز میں ہوتی، مگر آپ کا دل نیاز

میں، باطن راز میں اور آپ کا جسم حالت گزار میں ہوتا یہاں تک کہ آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہوگئی، آپ کا جسم ملک میں ہوتا اور جان ملکوت میں، آپ کا جسم انسانی ہوتا، آپ کی جان اُنس ومحبت کے مقام میں۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

''محبِ صادق وہ ہے جس پر حق تعالیٰ کا فرستادہ مقرر ہو کہ جب نماز کا وقت آئے تو وہ بندے کو ادائیگی پر اُبھارے۔ اگر بندہ سویا ہوا ہو تو اسے بیدار کردے۔'' یہ کیفیت حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ پر طاری رہتی تھی۔ وہ زمانہ بھر کے مرشد تھے۔ جب نماز کا وقت آجاتا تو وہ تندرست و بیدار ہوجاتے اور جب نماز ادا کر لیتے تو اُن پر وہی مدہوشی طاری ہوجاتی۔

حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آپ پر چار سو رکعات نماز فرض کر رکھی تھی۔ لوگوں نے پوچھا۔ اس درجہ کمال رکھتے ہوئے اتنی مشقت کس لئے؟ منصور حلاج نے فرمایا۔

یہ تمام رنج وراحت تمہاری حالت کا پتہ دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے دوست ایسے ہیں جن کی صفتیں فنا ہوچکی ہیں، ان پر نہ رنج اثر کرتا ہے اور نہ راحت۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا تھا، جب انھوں نے تکبیرِ تحریمہ کے وقت اللہ اکبر کیا تو بے ہوش ہو کر گر پڑے جیسے اُن کے جسم میں حس وحرکت ہی نہیں ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جب بوڑھے ہوگئے تو اس بڑھاپے میں بھی جوانی کے کسی ورد کو نہ چھوڑا۔ لوگوں نے عرض کیا۔

''یا شیخ! اب آپ بوڑھے اور کمزور ہو گئے ہیں، ان میں سے کچھ نوافل چھوڑ دیجیے۔'' فرمایا۔ یہی تو وہ چیزیں ہیں جن کی ابتداء میں اختیار کر کے اس مرتبہ پہ پہنچا

ہوں اب یہ محال و ناممکن ہے کہ انتہا میں اس سے دست بردار ہو جاؤں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے وہ عورت اچھی طرح یاد ہے جسے میں نے بچپن میں دیکھا جو بہت عبادت گزار تھی۔ اس عورت کی نماز کی حالت میں چالیس جگہ بچھو نے ڈنگ مارا مگر اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوگئی تو میں نے اس سے کہا۔ ''اے اماں! اس بچھو کو تم نے کیوں نہ اپنے سے دُور کیا''۔

اس عورت نے کہا بیٹے! تُو بچہ ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ میں رب کے کام میں مشغول ہوتے ہوئے اپنا کام کرتی۔

حضرت ابوالخیر اقطع رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں میں گوشت خور پھوڑا ہو گیا۔ طبیبوں نے بہت علاج کیا لیکن نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ پاؤں کاٹنا ضروری ہو گیا۔ طبیبوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ کو یہ پاؤں کٹوا دینا چاہیے مگر وہ اس پر راضی نہ ہوئے، آپ کے مریدوں نے طبیبوں سے کہا، نماز کی حالت میں ان کا پاؤں کاٹ دیا جائے کیونکہ اس وقت انھیں اپنی خبر نہیں ہوتی، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو پاؤں کو کٹا ہوا پایا۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو نماز پڑھتے تو آپ آہستہ قرات پڑھتے اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلند آواز سے پڑھتے، نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا۔ اے ابوبکر! تم آہستہ کیوں پڑھتے ہو، عرض کیا جس سے مناجات کرتا ہوں وہ سنتا ہے خواہ بلند آواز کروں یا آہستہ کروں، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا۔ تم کیوں بلند آواز سے پڑھتے ہو۔ عرض کیا ''میں سوتے ہوؤں کو جگاتا ہوں شیطان کو بھگاتا ہوں۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ ''اے ابوبکر! تم کچھ بلند آواز سے پڑھو اور اے عمر! تم

کچھ نیچی آواز میں اپنی عادات کے برعکس پڑھو۔''

محبت

حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی کے زمانہ میں ان کی محبت میں وارفتہ تھے اور جب انھوں نے ان کی قمیص مبارک پائی تو ان کی آنکھیں روشن وبینا ہوگئیں۔

حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ کو جب سولی پر چڑھایا گیا تو انھوں نے کہا کہ محبت کرنے والے کے لیے یہ خوشی کا مقام ہے کہ اپنی ہستی کو محبت کی راہ سے دور کر دے اور نفس کا اختیار محبوب کے پانے میں صرف کر دے اور خود کو فنا کر دے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو دیوانگی کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا اور انھیں ہسپتال رکھا گیا۔ ان سے عقیدت رکھنے والوں کا ایک گروہ عیادت کے لیے ہسپتال گیا۔ حضرت شبلی نے ان سے پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ انھوں نے کہا: ہم آپ سے محبت رکھنے والے ہیں۔'' اس پر حضرت شبلی نے ان کو پتھر مارنا شروع کر دیے اور وہ ایک دم بھاگ گئے۔ حضرت شبلی نے اُن سے مخاطب ہوکر فرمایا:

اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو میرے مارنے پر بھاگتے کیوں ہو، کیونکہ محبت کرنے والے محبوب کی مصیبت سے کبھی نہیں بھاگتے۔

زکوٰۃ

علمائے ظاہر میں سے کسی نے تجربہ کے طور پر حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ زکوٰۃ کی کتنی مقدار واجب ہے۔ حضرت شبلی نے فرمایا:

جب بخیل کے ساتھ دوسو درہم مال موجود ہو تو ہمارے مذہب کے مطابق پانچ

درہم اور ہر بیس دینار واجب ہے لیکن میرے نقطہ نظر کے مطابق کسی چیز کو اپنی ملکیت میں نہ رکھنا چاہیے تاکہ زکوۃ کی مشغولیت سے نجات حاصل ہو جائے۔

سوال کیا گیا اس مسئلہ میں تمھارا امام کون ہے؟

فرمایا: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جو کچھ اُن کے پاس موجود تھا سب دے دیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا۔

عرض کیا۔ ''اللہ کا رسول۔''

حضرت داتا صاحب ایک روز صوفیوں کی ایک جماعت کو درس دے رہے تھے درس میں تمام مُبتدی تھے۔ حضرت داتا صاحب اس وقت ایک اونٹ کی زکوٰۃ کے سلسلے میں انھیں یہ مفہوم سمجھا رہے تھے کہ اونٹنی اور اونٹنی کے بچے کا کیا حصہ بنتا ہے اور ایک جاہل پر یہ بات بڑی گراں گزر رہی تھی۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور حضرت داتا گنج بخش سے کہنے لگا۔ میرے پاس اونٹ نہیں ہیں، بھلا اونٹنی کے بچے کا علم میرے کس کام آئیگا حضرت داتا صاحب نے فرمایا۔ اے شیخ! جس طرح ہمیں زکوٰۃ دینے کے لیے علم کی حاجت ہے۔ اسی طرح ہمیں زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھی علم کی ضرورت ہے۔ اگر تمھیں کوئی شخص بنتِ لبون دے اور تو لے لے تو کیا اس وقت بھی کہے گا کہ مجھے بنتِ لبون کے علم کی ضرورت نہیں، اگر کسی کے پاس مال نہ ہو اور مال کے حصول کی کوئی صورت بھی نہ ہو تو اس سے علم کا فرض ہونا جاتا رہے گا۔

جود وسخا

حضرت خلیل علیہ السلام اس وقت تک کھانا نہ کھاتے جب تک کہ کوئی مہمان نہ آجاتا، ایک مرتبہ تین دن گزر گئے اور کوئی مہمان نہ آیا۔ اسی روز اتفاق سے کسی کافر کا

آپ کے دروازہ کے سامنے سے گزر رہوا۔آپ نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں کافر ہوں۔

آپ نے فرمایا: تو میری مہمانی اور عزت کے قابل نہیں ہے۔اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آپ سے باز پرس فرمائی اور فرمایا۔"اے خلیل جسے میں نے ستر سال تک پالا تم نے اسے ایک دن روٹی نہ دی۔

حضور سید عالم ﷺ کی بارگاہ میں جب حاتم کا لڑکا آیا تو آپ نے اس کے لیے اپنی چادر مبارک بچھائی اور فرمایا۔ جب تمہارے پاس کسی قوم کا عزت والا آئے تو اس کی عزت کرو۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نیشا پور کا ایک سوداگر حضرت ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہتا تھا۔ایک روز کسی درویش نے سوداگر سے کچھ مانگا۔ سوداگر نے کہا: میرے پاس ایک دینار ہے اور ایک سونے کا ٹکڑا ہے،سوداگر کے دل میں پہلے یہ خیال آیا کہ درویش کو دینار دینا چاہیے اور دوسرا خیال یہ آیا کہ اسے سونے کا ٹکڑا دے دیا جائے۔سوداگر نے اُسے سونے کا ٹکڑا دیا۔ جب حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تو آپ نے اُس سے فرمایا۔

تم نے اللہ تعالیٰ سے بحث کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم دینار دو مگر تم نے سونے کا ٹکڑا دے دیا۔

حضرت شیخ ابوعبداللہ رودباری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرید کے گھر گئے۔انھوں نے فرمایا اس کے گھر کا سامان بازار میں فروخت کردو،جب مرید گھر آیا تو وہ اس سے بہت خوش ہوا اور شیخ کی خوشنودی کی خاطر کچھ نہ بولا۔ جب اس کی بیوی آئی اور اس نے گھر کی حالت دیکھی تو اس نے اندر جا کر اپنے کپڑے اتار دیئے اور کہنے لگی۔ یہ بھی تو گھر کے سامان میں سے ہے اس کا بھی حکم ہے۔مرید نے اس پر اعتراض کیا اور کہا یہ

سراسر تکلف و اختیار ہے جو تم نے کیا ہے۔

عورت نے کہا۔ شیخ نے جو کچھ کیا وہ ان کا جود تھا۔ اب یہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے نفس کی ملکیت میں تصرف کریں تا کہ ہمارا جود بھی ظاہر ہو۔

خاوند نے کہا۔ تم ٹھیک کہتی ہو لیکن جب ہم نے اپنے آپ کو شیخ کے سپرد کر دیا ہے تو ہم پر اس کا اختیار ویسا ہی ہے جیسا ہم پر تھا۔ یہی ہمارا عین جود ہے اور جود انسان کی صفت میں تکلف و مجاز ہے۔

حضرت شیخ ابو مسلم فارسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک جماعت کے ساتھ حجاز کے سفر پر تھا کہ حلوان کے نواح میں کردوں نے ہماری راہ روک لی اور انہوں نے ہمارا سارا ساز و سامان اور کپڑے تک چھین لیے۔ ہم نے بھی کوئی جھگڑا نہیں کیا اور اسی میں ان کی خوشی سمجھی لیکن ہم سے ایک شخص ایسا تھا جو بے قراری کا اظہار کر رہا تھا اور سامان دینے میں تامل کر رہا تھا۔ ایک کرد نے تلوار سونت کر اسے مار ڈالنے کا ارادہ کیا۔ ہم سب نے مل کر اس کی سفارش کی، اس کرد نے کہا۔ یہ جائز نہیں کہ ہم اس جھوٹے کو زندہ چھوڑ دیں' ہمیں یقیناً اسے مار دینا چاہیے۔ ہم نے کرد سے مارنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا یہ صوفی نہیں ہے یہ اولیاء کی صحبت میں خیانت کرتا ہے۔ ایسے شخص کو نابید کرنا ہی مناسب ہے۔ ہم نے کہا یہ تم کس طرح کہتے ہو۔

اس نے کہا صوفیوں کا سب سے چھوٹا درجہ جود ہے اور یہ شخص چند پھٹے پرانے کپڑوں پر بے صبر ہے۔ یہ کیسے صوفی ہو سکتا ہے جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ جھگڑتا ہے حالانکہ ہم برسوں سے تمہارے اس کام کو کر رہے ہیں اور تمہارا راستہ روک رہے ہیں تمہارے تعلقات کو منقطع کرتے ہیں لیکن تم نے کبھی رنج کا اظہار نہیں کیا۔''

حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی کی چراگاہ میں سے گزرے جہاں ایک حبشی غلام کو دیکھا جو بکریوں کی رکھوالی کر رہا تھا اتنے میں ایک کتا آ گیا اور

اس غلام کے سامنے بیٹھ گیا۔ غلام نے ایک روٹی نکال کر کتے کے آگے ڈال دی۔ اسی طرح غلام نے دوسری اور تیسری روٹی بھی کتے کو کھلا دی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ غلام کے پاس گئے اور فرمایا۔

اے شیخ تمہارا کھانا روزانہ کتنا ہوتا ہے؟ اس نے کہا۔ اتنا ہی جتنا تم نے دیکھا ہے فرمایا۔ مگر تم نے وہ سب کتے کو کیوں کھلا دیا؟

اس نے جواب دیا یہ کتوں کی جگہ نہیں ہے یہ کہیں دور سے امید لے کر آیا تھا میں نے اسے اچھا نہ سمجھا کہ اس کی محنت کو ضائع کروں۔ حضرت عبداللہ کے دل کو یہ بات لگی انہوں نے اس غلام کو اور چراگاہ سمیت تمام بکریوں کے خرید لیا اور غلام کو آزاد کر کے فرمایا۔ یہ سب بکریاں اور چراگاہ تمہیں بخش دی۔ غلام نے ان کیلئے دعا کی اور بکریوں کو خیرات کر کے چراگاہ وقف کر دی اور خود وہاں سے چلا گیا۔

ایک شخص سیدنا امام حسن بن علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے پر آیا اور کہا: اے فرزند رسول! مجھ پر چار سو درہم قرض ہیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اسے چار سو درہم ادا کر دیے جائیں اور خود روتے ہوئے گھر کے اندر چلے گئے۔ لوگوں نے پوچھا: اے فرزند رسول! آپ روتے کیوں ہیں۔ فرمایا اس لئے روتا ہوں کہ میں نے اس شخص کے حال کی جستجو میں کوتاہی کی اور میں نے اسے سوال کرنے کی ذلت میں ڈال دیا۔

حضرت ابوسہل سعلوکی رحمۃ اللہ علیہ کبھی خیرات کسی درویش کے ہاتھ پر نہ رکھتے جو چیز دینا ہوتی اسے کسی کے ہاتھ میں نہ دیتے بلکہ زمین پر رکھ دیتے تا کہ وہ اسے اٹھا لے لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا۔ اسی طرح دینے میں وہ خطرہ نہیں رہتا جو کسی مسلمان کے ہاتھ میں دینے سے ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ میرا ہاتھ اونچا ہو اور اس مسلمان کا ہاتھ نیچا ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ ہے کہ بادشاہ حبش نے آپ کی خدمت میں کستوری تحفہ میں بھیجی۔ آپ نے اسے اسی وقت پانی میں گھول کر اپنے اور اپنے صحابہ پر ڈال دی۔

حضور کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دو پہاڑوں کے درمیان کی بکریوں سے بھری ہوئی وادی بخش دی۔ جب وہ اپنی قوم میں گیا تو اس نے کہا۔ میری قوم کے لوگو جاؤ تم سب مسلمان ہو جاؤ کیوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا زیادہ عطا فرماتے ہیں کہ اپنی درویشی سے بھی نہیں ڈرتے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک درویش کو دیکھا کہ بادشاہ نے اس کے پاس تین ہزار درہم کی مالیت کا خالص سونا بھیجا۔ وہ سونے کے ان ٹکڑوں کو لے کر حمام میں چلا گیا اور سب لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

روزہ

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رمضان میں حضرت شیخ احمد بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا تو دیکھا کہ اُن کے سامنے حلوے کی ایک پلیٹ دھری ہے اور وہ حلوہ کھا رہے ہیں۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا۔ ”حلوہ کھا لو۔“ میں نے بچوں کی طرح کہا۔ میں روزہ دار ہوں۔

شیخ نے پوچھا: روزہ کیوں رکھتے ہو؟

میں نے جواب دیا۔ فلاں بزرگ کی موافقت میں روزہ رکھتا ہوں۔

فرمایا: یہ درست نہیں کہ کسی مخلوق کی کوئی مخلوق موافقت کرے۔ یہ سُن کر میں نے ارادہ کیا کہ روزہ کھول دوں۔ اسی لمحہ شیخ نے فرمایا۔ جب تم نے اس کی موافقت کو ترک

کرنے کا ارادہ کیا ہے تو اب میری موافقت نہ کرو، کیونکہ میں بھی ایک مخلوق ہوں اور دونوں ایک سے نہیں۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی، حضرت داتا گنج بخش نے عرض کیا۔

''یارسول اللہ! مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔'' حضور نے فرمایا۔ اپنے حواس کو اپنے قبضہ میں رکھنا مکمل مجاہدہ ہے۔ اس لیے کہ تمام علوم کا حصول انہی پانچ دروازوں (حواس خمسہ) سے ہوتا ہے، ایک دیکھنے سے، دوسرا سُننے سے تیسرا چکھنے سے، چوتھا سونگھنے سے اور پانچواں چھُونے سے۔ یہ پانچوں حواس علم وعقل کے سپہ سالار ہیں۔ ان میں چار کے لیے تو ایک ایک مقام مخصوص ہے اور پانچوں تمام جسم میں پھیلا ہوا ہے۔ آنکھ دیکھنے کا مقام ہے وہ رنگ وبُشرہ دیکھتی ہے۔ کان سننے کا مقام ہے اور وہ خبر اور آواز سنتا ہے، زبان چکھنے کا مقام ہے، وہ مزہ اور بدمزہ کو پہچانتی ہے، ناک سونگھنے کا مقام ہے، وہ خوشبو اور بدبو کا پتہ دیتی ہے اور چھونے کے لیے کوئی خاص مقام نہیں وہ تمام جسم میں پھیلا ہوا ہے اور انسان کے تمام اعضاء میں نرمی، گرمی، سردی وسختی کا احساس ہوتا ہے کوئی علم ایسا نہیں جسے معلوم کرنا چاہے مگر وہ اسے انہی پانچ دروازوں سے حاصل کرتا ہے۔ بجز بدیہی باتوں اور الہام کے ان میں آفت جائز نہیں اور نہ اس کیلئے حواس خمسہ کی ضرورت ہے اور ان پانچوں حواس کے لیے صفائی اور کدورت ہے، چنانچہ علم وعقل اور روح کے لیے قدرت ودخل ہے اور نفس وہوا کے لیے بھی، کیونکہ یہ طاعت ومعصیت اور سعادت وشقاوت کے درمیان سبب وآلۂ مشترک ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ولایت واختیار سننے اور دیکھنے میں یہ ہے کہ وہ سچی بات سُنے اور دیکھے، اسی طرح نفس کے لیے یہ ہے کہ وہ جھوٹی بات سُنے اور شہوت کی نظر سے دیکھنے کا خواستگار رہے، چھونے چکھنے اور سونگھنے میں ولایت حق تعالیٰ یہ ہے کہ وہ حکم الٰہی کے

موافق اور سنتِ مصطفوی کی متابعت میں ہو اور اسی طرح نفس فرمانِ حق اور شریعت کی مخالفت کا طلب گار ہے اس لیے روزہ دار کو لازم ہے کہ ان تمام حواس کو قید میں رکھے تا کہ مخالفت کے مقابلہ میں موافقت ظہور پذیر ہو اور وہ سچا روزہ دار ہو۔ محض کھانے پینے سے ہاتھ اُٹھالینا تو بچوں اور بوڑھی عورتوں کا عمل ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ جس روز شکم مادر سے پیدا ہوئے تو وہ روزہ دار تھے اور جس دن دنیا سے رخصت فرمائی اس دن بھی روزہ دار تھے لوگوں نے اس کا ثبوت مانگا تو علماء حق نے بیان کیا کہ جس دن وہ پیدا ہوئے ان کی پیدائش کا وقت صبحِ صادق تھا اور شام تک انھوں نے دودھ نہ پیا۔ جب وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو وہ روزے سے تھے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری کے بارے میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ہر پندرہ دن کے بعد ایک مرتبہ کھانا کھاتے اور ماہ رمضان میں عید الفطر تک کچھ نہ کھاتے۔ ہر رات چار سو رکعات نماز پڑھتے۔

طاؤس الفقراء حضرت شیخ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ جب رمضان المبارک میں بغداد پہنچے اور مسجد شونیزیہ میں قیام کیا تو انھیں ایک الگ حجرے میں ٹھہرایا گیا۔ انھیں درویشوں کی امامت کا فرض سونپا گیا۔ انھوں نے عید تک درویشوں کی امامت فرمائی اور تراویح میں پانچ قرآن پاک ختم کیے۔ ہر رات ایک خادم ایک روٹی اُن کے حجرے میں آکر دے جاتا جب عید کا دن آیا اور وہ عید کی نماز پڑھنے گئے تو خادم نے حجرے کو صاف کرنے کے لیے قدم اندر رکھا تو تیس کی تیس روٹیاں ایک جگہ پڑی تھیں۔

حضرت علی بن بکار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حفص کو دیکھا کہ ماہِ رمضان میں ہر پندرھویں کے دن کے سوا کچھ نہیں کھاتے۔

حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ ماہِ رمضان

میں شروع سے آخر تک کچھ نہ کھاتے تھے حالانکہ وہ شدید گرمی کا زمانہ تھا اور روزانہ گندم کی مزدوری کو جایا کرتے تھے۔ اس سے جو کچھ ملتا، سب درویشوں میں تقسیم کر دیتے۔ رات بھر عبادت کرتے نماز میں مشغول رہتے حتیٰ کہ دن نکل آتا۔ وہ لوگوں کی نظروں کے سامنے رہتے تھے لوگ دیکھتے تھے کہ وہ نہ کھاتے تھے نہ سوتے تھے۔

حضرت شیخ ابو عبداللہ خفیف رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو انھوں نے مسلسل چالیس چلے کاٹے تھے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جنگل میں ایک بوڑھے کو دیکھا جو ہمیشہ ہر سال دو چلے کیا کرتا تھا اور جب حضرت ابو محمد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ دنیا سے رخصت ہونے لگے تو میں ان کے پاس موجود تھا۔ انھوں نے اسّی دن تک کچھ نہ کھایا تھا اور کوئی نماز بغیر جماعت کے نہ پڑھی۔ متاخرین کے ایک درویش نے بھی اسّی دن تک کچھ نہ کھایا اور کوئی نماز بغیر جماعت کے ادا نہ کی۔

مرو کی آبادی میں دو بزرگ تھے ایک کا نام مسعود تھا اور دوسرے کا نام شیخ بوعلی تھا شیخ مسعود نے دوسرے بزرگ کے پاس کسی کو بھیجا کہ یہ دعویٰ کب تک رہیں گے آؤ ہم چالیس دن ایک جگہ بیٹھیں اور کچھ نہ کھائیں۔ انہوں نے جواب میں کہلوایا آؤ ہم روزانہ تین مرتبہ کھائیں اور چالیس دن تک ایک وضو سے رہیں۔

حج

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خدا نے فرمایا۔ سر جھکاؤ تو انھوں نے عرض کیا۔ میں نے رب العالمین کے سامنے سر جھکا دیا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مقام خلت پر فائز ہوئے تو تمام تعلقات سے دامن کھینچ لیا اور دل کو غیر سے خالی کر دیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جلوے کو عام کر دے تو اللہ تعالیٰ

نے نمرود کو مقرر کیا کہ وہ ان کے اور ان کے گھر والوں کے درمیان جدائی کرا دے۔ نمرود نے آگ جلائی اور ابلیس نے آ کر منجنیق بنا دی اور اس میں گائے کا چمڑا پلڑے میں سِیا گیا اور منجنیق کے اس پلڑے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بٹھایا گیا۔ اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام آئے آئے اور پلڑا پکڑ کر عرض کرنے لگے کیا آپ کو میری ضرورت تو نہیں، فرمایا: حاجت تو ہے مگر تم سے نہیں۔ حضرت جبریل نے پھر عرض کیا اللہ تعالیٰ سے عرض کیجئے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ میری عرض سے بے نیاز ہے، وہ میرے حال کو جانتا ہے، میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ مجھے اسی کے لیے آگ میں ڈالا گیا ہے۔ میرے حال پر اس کا علم میرے عرض و سوال کا محتاج نہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا۔ حج کر کے آیا ہوں۔ حضرت جنید نے فرمایا حج کر لیا؟ اس نے کہا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا: جب تم اپنے مکان سے چلے اور وطن سے کوچ کیا اس وقت گناہوں سے بھی کوچ کیا تھا؟ اس نے کہا۔ نہیں، فرمایا۔ بس تم نے کوچ ہی نہ کیا۔ فرمایا: جب تم گھر سے چلے اور ہر منزل میں رات کو قیام کیا تو کیا، تم نے راہِ حق یعنی طریقت کا مقام بھی طے کیا یا نہیں؟ اس نے کہا، نہیں۔ حضرت جنید نے فرمایا: تم نے کوئی منزل طے نہ کی۔ پھر دریافت فرمایا: جب تم نے میقات سے احرام باندھا تو کیا تم بشری صفات سے جدا ہو گئے تھے؟ جیسا کہ تم کپڑوں سے جُدا ہوتے تھے۔ اس نے کہا، نہیں۔ فرمایا بس تم محرم بھی نہ ہوئے۔ پھر دریافت فرمایا: جب تم مزدلفہ میں اُترے اور تمھاری مراد برائی تھی تو تم نے تمام نفسانی مرادوں کو چھوڑ دیا تھا یا نہیں؟ اس نے کہا، نہیں۔ فرمایا، بس مزدلفہ کا بھی نزول نہ ہوا۔ پھر فرمایا، جب تم نے خانہ کعبہ کا طواف کیا تھا تو اِن سر کی آنکھوں سے مقام تنزیہہ میں حق تعالیٰ کے جمال کے لطائف کو دیکھا تھا۔ اس نے کہا، نہیں فرمایا، بس طواف بھی حاصل نہ ہوا۔

پھر فرمایا جب تم نے صفاومروہ کے درمیان سعی کی تھی تو صفا کے مقام اور مروہ کے درجہ کا ادراک کیا تھا۔ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا: ابھی سعی بھی نہیں ہوئی۔، پھر فرمایا جب منیٰ میں آئے تھے تو تمھاری ہستیاں تم سے جُدا ہو گئی تھیں؟ اس نے کہا، نہیں۔ فرمایا ابھی منیٰ بھی نہیں پہنچے۔ پھر فرمایا جب قربان گاہ میں تم نے قربانی کی تھی اس وقت اپنی نفسانی خواہشوں کو بھی قربان کیا تھا؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا بس قربانی بھی نہ کی، پھر فرمایا جب تم نے پتھر مارے تھے اور حجروں پر کنکریاں پھینکی تھیں اس وقت تمھارے ساتھ جو نفسانی تمنائیں تھیں ان سب کو بھی پھینکا تھا اس نے کہا: نہیں۔ فرمایا: ابھی تم نے پتھر بھی نہیں پھینکا اور حج بھی نہیں کیا۔ لوٹ جاؤ ان صفات کے ساتھ حج کرو تا کہ مقام ابراہیم علیہ السلام تک پہنچو۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے موقف میں ایک نوجوان کو سر جھکائے خاموش کھڑے دیکھا۔ تم لوگ دعائیں مانگ رہے تھے لیکن وہ خاموش کھڑا رہا، میں نے اس سے دریافت کیا۔ اے نوجوان تم کیوں دعا نہیں مانگتے اور خوشی کا اظہار کیوں نہیں کرتے۔ اس نے کہا، مجھے وحشت لاحق ہو گئی ہے کہ جو وقت میں رکھتا تھا ضائع ہو گیا تھا اب منہ سے دعا مانگوں۔ میں نے اس سے کہا تمھیں دعا مانگنی چاہیے، ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کے اجتماع کے طفیل تمہیں تمھاری مراد عطا فرما دے۔ اُس نوجوان نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے کا ارادہ کیا، لیکن اس کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ گرتے ہی اللہ کو پیارا ہو گیا۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک جوان کو منیٰ میں بیٹھے ہوئے دیکھا۔ سب لوگ اپنی قربانیوں میں مصروف تھے اور میں اس نوجوان کے حال کو دیکھتا رہا کہ وہ کون ہے اور کیا کرتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد نوجوان نے بلند آواز میں کہا: اے خدا! تمام لوگ قربانی میں مشغول ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے نفس کی قربانی

تیرے حضور کروں تُو اسے قبول فرما۔ اتنا کہہ کر اس نوجوان نے انگشتِ شہادت کا اشارہ اپنے گلے پر کیا اور گر پڑا۔ میں نے اُسے دیکھا تو اس کی روح پرواز کر چکی تھی۔

مشاہدہ

نبی کریم ﷺ نے شب معراج کے بارے میں سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خبر دی کہ میں نے خدا کو نہیں دیکھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔ میں نے خدا کو دیکھا لہٰذا لوگ اس اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں اور جس نے غور کیا۔ وہ اختلاف سے نکل گیا۔ چنانچہ جس سے یہ فرمایا کہ میں نے خدا کو دیکھا اس سے چشم سر سے دیکھنا مراد ہے اور جس سے کہ کہا کہ میں نے نہیں دیکھا اس سے چشم باطن سے دیکھنا مراد ہے کیونکہ ان دونوں میں ایک اہل باطن ہے اور دوسرا اہل ظاہر، لہٰذا جب باطنی آنکھ سے دیکھا۔ ہر ایک سے اس کے حال کے موافق کلام فرمایا: تو جب حضور نے چشم سر دیکھنا ظاہر فرمایا اگر آنکھ کا واسطہ نہ ہوا تو نقصان ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں مصر کے بازار میں سے گزر رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ ایک جوان کو بچے پتھر مار رہے ہیں۔ میں نے بچوں سے پوچھا کہ تم اس سے کیا چاہتے ہو؟ بچوں نے کہا: یہ دیوانہ ہے۔ میں نے کہا۔ تم نے اس کے جنون کی کیا علامت دیکھی؟ بچوں نے کہا۔ یہ کہتا ہے کہ میں خدا کو دیکھتا ہوں۔ اس کے بعد میں نے جوان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔ اے جوان! کیا تم کہتے ہو یا بچے تم الزام لگا رہے ہیں۔ جوان نے کہا۔ نہیں بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر ایک لمحہ کے لیے بھی حق کو نہ دیکھوں اور محجوب ہو جاؤں تو اس کو میں برداشت نہیں کر سکتا۔

حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال تک دن رات دیوار سے

ٹیک نہ لگائی اور دوزانو کے سوا کسی اور حالت میں نہ بیٹھے لوگوں نے عرض کیا، آپ اتنی مشقت و تکلیف کیوں برداشت فرماتے ہیں؟ فرمایا مجھے شرم آتی ہے کہ میں حق تعالیٰ کے مشاہدہ میں اس طرح نہ بیٹھوں جس طرح بندہ بیٹھتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خراسان کے مکندنامی شہر میں ایک شخص کو دیکھا۔ جو بہت مشہور تھا اور لوگ اسے ادیبِ مکندی کہتے تھے۔ بڑا صاحب فضیلت تھا۔ اُس نے بیس سال پاؤں پر کھڑے گزار دیے، سوائے نماز کے تشہد کے کبھی نہ بیٹھا۔ میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا۔ ابھی مجھے وہ درجہ حاصل ہوا کہ میں مشاہدہ حق میں بیٹھ سکوں۔

صحبت وادب

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا۔ ہمیں یہ بتائیں کہ جو کچھ آپ نے پایا ہے وہ کس چیز سے پایا ہے؟ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن صحبت کی وجہ سے چنانچہ میں نے حق تعالیٰ کے ساتھ جیسا جلوت میں حسن صحبت کے ادب کو ملحوظ رکھا، ویسا ہی خلوت میں بھی رکھا ہے جہان والوں کو چاہیے کہ اپنے معبود کے مشاہدہ میں ادب کی حفاظت کا سلیقہ زلیخا سے سیکھیں کہ جب اس نے پہلے اپنے بُت کے چہرے کو کسی چیز سے ڈھانپ دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا یہ کیا کر رہی ہو۔ اس نے کہا، اپنے معبود کے چہرے کو چھپا رہی ہوں تا کہ وہ بے حُرمتی میں مجھے آپ کے ساتھ نہ دیکھے کیونکہ یہ شرائط ادب کے خلاف ہے اور جب حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام سے ملے اور انھیں جمالِ یوسفی سے ہم آغوش کیا تو زلیخا کو جسے انھوں نے اسلام کی راہ دکھائی اور حضرت یوسف علیہ السلام کی زوجیت میں دے دیا۔ تب حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی طرف قصد فرمایا تو زلیخا آپ

سے بھا گی۔ فرمایا۔ اے زلیخا! کیا میں تمھارا وہ دلربا نہیں ہوں؟ شاید میری محبت تیرے دل سے جاتی رہی ہے؟ زلیخا نے کہا خدا کی قسم! نہیں، محبت اپنی جگہ پر ہے بلکہ زیادہ ہے لیکن میں نے ہمیشہ اپنے معبود کی بارگاہ کے آداب کو ملحوظ رکھا، اس دن جب تمھارے اور میرے درمیان تنہائی تھی اس وقت میرا معبود ایک بت تھا جو قطعاً دیکھ ہی نہیں سکتا تھا مگر اس کے باوجود اس کی بے نور دو آنکھیں تھیں اس پر میں نے پردہ ڈال دیا تھا تا کہ بے ادبی کی تہمت مجھ سے اُٹھ جائے۔ اب میرا معبود ایسا ہے جو دانا و بینا ہے جس کے لیے دیکھنے کا نہ تو کوئی آلہ ہے نہ کوئی حلقہ ہے لیکن میں جس حال میں ہوں وہ مجھے دیکھتا ہے میں نہیں چاہتی کہ میں تارک ادب بنوں۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مسلمان بھائیوں کے درمیان محبت کو تین چیزیں پاکیزہ بناتی ہیں۔ ایک یہ کہ جب تم اس سے راہ میں ملاقات کرو تو اسے سلام کرو، دوسرے یہ کہ اپنی مجلس میں اس کے لیے جگہ بناؤ، تیسرے یہ کہ اسے اُن القاب سے یاد کرو جو تمھیں بہت محبوب ہیں۔

حضرت مالک بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے داماد حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔ اے مغیرہ! جس بھائی یا ساتھی کی رفاقت تمھیں دینی فائدہ نہ پہنچائے تم اس جہان میں اس کی صحبت سے بچو کیونکہ اس کی صحبت تم پر حرام ہے۔

ایک مرد خدا خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے دوران دُعا مانگ رہا تھا۔ ''اے خدا! میرے بھائیوں کی اصلاح و دُرستگی فرما'' لوگوں نے پوچھا، اس مقام پر تم اپنے لیے دعا کیوں نہیں مانگتے؟ اپنے دوسرے بھائیوں کے لیے کیوں دعا مانگتے ہو۔ اس نے جواب دیا۔ ''میں اپنے بھائیوں کی طرف ہی لوٹ کر جاؤں گا۔ اگر وہ دُرست ہوئے تو میں ان کی دُرستگی کی بنا پر ٹھیک رہوں گا اور اگر وہ بُرے ہی رہے تو ان کی برائیوں کی وجہ سے میں بھی بُرا بن جاؤں گا۔''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے ایک کو یہ گمان ہو گیا کہ میں درجہ کمال کو پہنچ گیا ہوں اور اب مجھے اکیلا ہی رہنا چاہیے، چنانچہ اس نے تنہائی اختیار کر لی، اور مرشد کی صحبت سے کنارہ کش ہو گیا۔ جب رات ہوئی تو اس نے دیکھا کہ لوگ ایک اونٹ لے کر آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ تمھیں جنت میں رہنا چاہیے وہ اُسے اونٹ پر سوار کرا کے لے گئے اور ایسی جگہ پر لے آئے جو بہت اچھی جگہ تھی۔ خوبصورت لوگ، نفیس کھانے اور پانی کے چشمے رواں تھے۔ مرید صبح تک وہاں رہا، حالانکہ وہ نیند میں تھا، جب بیدار ہوا تو اپنے آپ کو حجرے میں پایا۔ یہ سلسلہ بدستور چلتا رہا، جس سے اس پر بشری رعنت وغرور کا غلبہ ہو گیا۔ اس کے دل میں جوانی کے گھمنڈ نے اپنا اثر دکھایا اور اس نے لوگوں کو بتانا شروع کر دیا کہ میری یہ حالت ہوتی ہے، اس کی خبر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچی۔ آپ اس کے حجرے میں تشریف لائے، اسے اس حال میں پایا کہ اس کے سر میں خواہشیں بھری ہوئی تھیں اور تکبر سے اکڑا ہوا تھا۔ آپ نے اس سے حال دریافت فرمایا۔ اس نے سارا حال بیان کر دیا۔ حضرت جنید نے فرمایا، یاد رکھ جب تو آج رات وہاں پہنچے تو تین مرتبہ **لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم** پڑھنا چنانچہ جب رات ہوئی اور اسے حسب معمول لے جایا گیا۔ چونکہ وہ اپنے دل میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا منکر تھا۔ کچھ عرصہ بعد محض تجربہ کے طور اس نے تین مرتبہ لاحول پڑھی تو اسے لے جانے والے تمام لوگ چیخ مار کر چھوڑ کر چلے گئے۔ مرید نے اپنے آپ کو نجاست خانہ پڑے ہوئے پایا اور اس کے چاروں طرف مُرداروں کی ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا دل سے توبہ کی اور ہمیشہ صحبت میں رہنے لگا۔

ایک درویش بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں کوفہ سے مکہ مکرمہ جانے کے لیے سفر پر روانہ ہوا۔ راستہ میں حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ میں

نے ان سے صحبت میں رہنے کی اجازت چاہی، انھوں نے فرمایا۔ صحبت میں ایک امیر ہوتا ہے دوسرا فرماں بردار، تمھیں کیا منظور ہے؟ آیا تم امیر بنتے ہو یا میں۔ میں نے کہا: آپ ہی امیر بنیے۔ انھوں نے فرمایا۔ اب تم میرے حکم سے باہر نہ ہونا۔ میں نے کہا یہی ہوگا جب ہم منزل پر پہنچے تو انھوں نے فرمایا، بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ انھوں نے کنوئیں سے پانی کھینچا جو بہت سرد تھا پھر لکڑیاں جمع کر کے ایک ڈھلوان جگہ پر آگ جلائی اور مجھے گرم کیا۔ میں جس کام کا بھی ارادہ کرتا، وہ فرماتے بیٹھ جاؤ، فرماں برداری کی شرط کو ملحوظ رکھو۔ جب رات ہوئی تو شدید بارش نے گھیر لیا۔ انھوں نے اپنی گدڑی اتار کر کندھے پر ڈال لی اور صبح تک میرے سر پر سایہ کیے کھڑے رہے اور میں شرمندہ ہو رہا تھا لیکن شرط کے مطابق کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ جب صبح ہوئی تو میں نے کہا۔ اے شیخ! آج میں امیر بنوں گا۔ انھوں نے فرمایا۔ ٹھیک ہے۔ جب ہم اگلی منزل پر پہنچے تو انھوں پھر وہی خدمت اختیار کی۔ میں نے کہا: اب آپ میرے حکم سے باہر نہ ہوں۔ فرمایا فرمان سے وہ شخص باہر ہوتا ہے جو اپنے امیر سے اپنی خدمت کروائے۔ انھوں نے مکہ مکرمہ تک اسی طرح سفر کیا۔ جب ہم مکہ مکرمہ پہنچے تو میں مارے شرم کے بھاگ کھڑا ہوا۔ یہاں تک کہ انھوں نے منیٰ میں دیکھا اور فرمایا۔ اے بیٹے تم پر لازم ہے کہ درویشوں کے ساتھ ایسی ہی صحبت کرنا جیسی کہ میں نے تمھارے ساتھ کی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کو ریاضت و مجاہدے کی تعلیم دے رہے تھے۔ ایک مسافر آیا۔ وہ اس کی مدارات میں مشغول ہو گئے اور کھانا لا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ مسافر نے کہا: اس کے سوا بھی مجھے فلاں چیز کی ضرورت ہے۔ انھوں نے فرمایا۔ تجھے بازار جانا چاہیے تھا کیونکہ تو بازاری آدمی معلوم ہوتا ہے تمھارا تعلق خانقاہوں اور مسجدوں سے نہیں ہے۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ دمشق سے

دو درویشوں کے ساتھ حضرت ابن العلاء رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا ارادہ کیا۔ وہ مکہ مکرمہ کے ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ ہم نے آپس میں طے کیا کہ ہر ایک اپنی اپنی سرگذشت کے کسی واقعہ کو یاد کرے تاکہ وہ بزرگ ہمارے باطن کی ہمیں خبر دے اور ہمارے اس واقعہ کی مشکلات کو حل کر دے۔ میں نے اپنے دل میں یہ خیال جمایا کہ میں حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار کو حل کراؤں گا اور ایک درویش نے یہ سوچا کہ میں اپنے مرض عظم الطحال کے لیے دُعا کراؤں گا۔ تیسرے نے کہا مجھے صابونی حلوا چاہیے۔ جب ہم ان کے پاس پہنچے تو انھوں نے حضرت حسین بن منصور کے اشعار کی تشریح پہلے ہی لکھوا رکھی تھی۔ انھوں نے اُسے میرے سامنے رکھ دیا۔ دوسرے درویش کے پیٹ پر انھوں نے ہاتھ پھیرا! اس کی تلی کا مرض جاتا رہا، اور تیسرے درویش نے فرمایا۔ تم صابونی حلوے کی خواہش رکھتے ہو جو عوام کی غذا ہے حالانکہ تم اولیاء کے لباس میں ہو اور اولیاء کا لباس عوامی مطالبہ و خواہش کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔ تم دونوں میں سے ایک رُخ اختیار کرو۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابو ذر غفاری کے درمیان برادری قائم فرمائی تھی اور دونوں اصحابِ صفہ کے سرکردہ افراد میں سے تھے اور باطنی اسرار کے سرداروں میں سے تھے۔ ایک دن حضرت سلمان فارسی حضرت ابو ذر غفاری کے گھر والوں کی مزاج پُرسی کے لیے گھر والوں نے حضرت سلمان سے شکایت کی کہ یہ تمھارے بھائی ابو ذر غفاری نہ دن میں کچھ کھاتے ہیں اور نہ رات کو سوتے ہیں۔ حضرت سلمان نے کہا کھانے کے لیے لاؤ۔ جب کھانا لایا گیا تو حضرت ابو ذر سے کہ اے بھائی! تمھیں زیبا ہے کہ تم میرے ساتھ موافقت کرتے ہوئے میرے ساتھ کھانا کھاؤ کیونکہ تمھارا یہ روزہ فرض تو نہیں ہے۔ حضرت ابو ذر نے ان کی موافقت میں ساتھ کھانا کھایا، جب رات ہوئی تو کہا۔ اے بھائی! سونے میں

بھی تم کو میرے موافقت کرنی چاہیے۔

دوسرے دن جب حضرت ابوذر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں بھی تم سے وہی کہتا ہوں جو کل تم سے سلمان نے کہا تھا۔ یعنی جسم کا بھی تم پر حق ہے اپنی بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور اپنے رب کا بھی تم پر حق ہے۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک زمانہ میں ملک عراق میں دنیاوی مال کو جمع کرنے اور ان کو خرچ کرنے میں بے طرح مشغول تھا۔ اس طرح مجھ پر بہت قرض ہو گیا، جسے ضرورت ہوتی وہ میرے پاس آتا اور میں ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی فکر میں تکلیف اٹھاتا رہا۔ زمانہ کے ایک بزرگ نے مجھے لکھا، اے فرزند! خیال رکھنا کہ تمھارا دل خدا سے غافل نہ ہو جائے۔ اپنے دل کو فارغ رکھنا کیونکہ تم مشغولیت میں مبتلا ہو گئے ہو لہٰذا اگر کوئی دل اپنے دل سے زیادہ عزیز پاؤ تو جائز ہے کہ اس دل کی فراغت میں اپنے آپ کو مشغول کرو ورنہ اس کام اور اس شغل سے اپنا ہاتھ کھینچ لو کیونکہ بندگانِ خدا کی کفالت خدا کے ذمہ ہے۔ اسی وقت میرے دل میں اس سے فراغت کا جذبہ ظاہر ہو گیا۔

شیخ ابوالمسلم فارس بن غالب فارسی فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت شیخ ابوسعید، ابوالخیر فضل اللہ بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس زیارت کے لیے آئے تو انھیں چار بالشت کے ایک تختہ پر سوئے ہوئے پایا اور ان کا ایک پاؤں دوسرے پر رکھا ہوا تھا۔ وہ اس وقت مصری چادر اوڑھے ہوئے تھے اور میں ایسا لباس پہنے ہوئے تھا جو میل سے چمڑے کی مانند سخت تھا۔ جسم تھکن سے چور اور چہرہ محنت و مشقت اور مجاہدے سے پیلا پڑ گیا تھا۔ میرے دل میں ان سے ملاقات نہ کرنے کا جذبہ پیدا ہوا میرے دل میں خیال آیا کہ ایک یہ درویش ہے اور ایک میں درویش ہوں۔ یہ اتنے آرام و چین میں ہے اور میں اتنے مجاہدے اور مشقت میں ہوں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ بزرگ میری

حالت سے باخبر ہو گئے اور میری نخوت کو انھوں نے ملاحظہ فرما لیا۔ مجھ سے فرمایا ''اے ابو مسلم! تم نے کونسی کتاب میں پڑھا ہے کہ اپنے کو دیکھنے والا درویش ہوتا ہے۔ جب میں نے ہر شے میں جلوۂ الٰہی کو دیکھ لیا تو اسی نے مجھے تخت پر بھی بٹھایا اور جب تم نے صرف اپنے آپ کو دیکھا تو تمھیں محنت و مشقت میں رکھا ہے، میرے مقدر میں مشاہدہ ہے اور تمھارے نصیب میں مجاہدہ، یہ دونوں مقام راستے کے مقامات میں سے ہیں۔ رب العزت اس سے پاک و منزہ ہے اور درویش وہی ہے جس کا مقام فنا ہو جائے اور احوال سے گزر جائے۔'' یہ سن کر میرے ہوش جاتے رہے اور سارا جہان میرے لیے تاریک ہو گیا، جب میں اپنے آپ میں آیا تو میں نے ان سے معذرت کی اور انھوں نے مجھے معاف کر دیا۔ پھر میں نے عرض کیا۔ اے شیخ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں جاؤں کیوں کہ مجھ میں آپ کے دیدار کی طاقت نہیں، فرمایا۔ اے ابو مسلم! تم نے ٹھیک کیا اس کے بعد انھوں نے میری حالت پر ایک شعر پڑھا:

جو کچھ خبر میرے کان نہ سن سکے
اسے میری آنکھ نے سر تاپا ظاہر دیکھ لیا

بھوک

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا۔ آپ کیوں بھوکے رہنے کی اتنی زیادہ تعریف کرتے ہیں؟

انھوں نے فرمایا۔ فرعون اگر بھوکا رہتا تو ہرگز یہ نہ کہتا کہ میں تمھارا سب سے بڑا معبود ہوں۔ اگر قارون بھوکا رہتا تو باغی نہ ہوتا چونکہ لومڑی بھوکی رہتی ہے۔ اس لیے ہر ایک اس کی تعریف کرتا ہے۔ نفاق پیٹ بھرنے سے پیدا ہوتا ہے۔

چلنے کے آداب

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک دن انھوں نے دوا کھائی۔ مریدوں نے عرض کیا تھوڑی دیر مکان کے صحن میں چلیے تا کہ دوا کا اثر ہو۔ آپ نے فرمایا: میں خدا سے شرم کرتا ہوں کہ قیامت کے دن مجھ سے پوچھے کہ تو نے اپنے نفس کی خاطر چند قدم کیوں اٹھائے۔

سونے کے آداب

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت علی بن سہل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خط لکھا۔ آپ نے خط سُن کر اختلاف کیا۔ حضرت علی بن سہل نے لکھا ہے کہ نیند غفلت و آرام کا مُوجب ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔ حضرت جنید بغدادی نے جواب دیا کہ ہماری بیداری راہِ حق میں ہمارا معاملہ ہے اور نیند حق تعالیٰ کا ہم پر فضل ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ ہر رات نمک کے پانی سے سلائی تر کر کے رکھ لیتے، جب نیند غلبہ کرتی تو وہ اس سلائی کو اپنی آنکھوں میں پھیر لیتے۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ جب وہ فرائض کی ادائیگی سے فارغ ہو جاتے تو سو جاتے، میں نے شیخ احمد سمرقندی کو دیکھا کہ وہ چالیس سال تک رات بھر نہ سوئے، دن میں تھوڑی دیر کے لیے سو جاتے۔

ایک بزرگ ایک ایسے امام کے پاس آئے جو مرتبہ و عزت اور نفس کی رعونت میں مبتلا تھا۔ وہ بزرگ اس سے کہتے کہ اے فلاں شخص تجھے مر جانا چاہیے۔ اس کلمہ سے امام کے دل کو رنج ہوتا۔ وہ کہتا یہ گداگر ہمیشہ مجھے یہی بات کہتا ہے۔ کل کو میں اس

سے پہلے کہوں گا۔ جب دوسرے دن وہ بزرگ۔ آئے تو امام نے کہا: اے فلاں شخص تمھیں مرجانا چاہیے۔ اس بزرگ نے مصلّی بچھایا، سر کو زمین پر رکھا اور کہا۔ میں مرتا ہوں۔ اسی وقت بزرگ کی روح پرواز کرگئی۔ اس سے امام کو یہ تنبیہہ ہوئی کہ وہ جان لے کہ یہ بزرگ جو مرجانے کو کہتا تھا، دیکھ لے کہ میں اس طرح مرتا ہوں۔

آدابِ گفتگو

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی کی مجلس میں کھڑے ہوئے اور نعرہ مارا۔ یا مرادی، اور حق تعالیٰ کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت جنید نے فرمایا۔ اے ابوبکر! اگر تمھاری مراد حق ہے تو یہ اشارہ کیوں ہے؟ کیونکہ وہ اس سے بے نیاز ہے اور اگر تمھاری مراد حق نہیں ہے تو تم نے خلاف کیوں کیا کیونکہ حق تعالیٰ تمھارے قول کے مطابق علیم (جاننے والا) ہے۔ یہ سُن کر حضرت شبلی نے اپنے کلام پر استغفار کیا۔

ایک روز حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ بغداد سے کرخ تشریف لے گئے۔ وہاں انھوں نے ایک مدعی کو کہتے ہوئے سُنا۔ ''خاموشی بولنے سے بہتر ہے۔'' حضرت شبلی نے فرمایا۔ تیری خاموشی تیرے بولنے سے بہتر ہے اور میرا بولنا میری خاموشی سے بہتر ہے۔ اس لیے کہ تیرا بولنا لغو ہے اور تیری خاموشی بیکار ہے۔ میرا بولنا میری خاموشی سے اس لیے بہتر ہے کہ میری خاموشی میں حلم و بُردباری ہے اور میرے بولنے میں علم و معرفت ہے اگر علم سے نہیں بولتا تو میرا حلم اس پر غالب ہوتا ہے۔ اگر حلم سے بولوں تو میرا علم اس پر غالب ہوتا ہے جب نہیں بولتا تو حلیم و بُردبار ہوتا ہوں اور جب بولتا ہوں تو علیم (جاننے والا) ہوتا ہے۔

آدابِ سوال

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رفیق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جلد بُلا لیا اور اُسے دنیاوی نعمت سے اُخروی نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ حضرت ذوالنون مصری نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا۔ اللہ تعالیٰ نے تمھارے ساتھ کیا کِیا؟ اس نے کہا: مجھے بخش دیا۔ پوچھا، کس خصلت کی بناء پر؟ اس نے کہا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اُٹھایا اور فرمایا اے میرے بندے! تُو نے بخیلوں اور کمینوں کی بڑی اذیتیں برداشت کی ہیں۔ تو نے ان کے آگے ہاتھ پھیلایا اور تُو نے صبر سے کام لیا، اس پر میں نے تمھیں بخش دیا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ کی ایک لڑکی تھی۔ ایک دن لڑکی نے اپنی ماں سے کہا مجھے فلاں چیز چاہیے۔ ماں نے کہا خدا سے مانگو۔ لڑکی نے کہا، خدا سے مانگتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے کہ میں اپنی نفسانی خواہش خدا سے مانگوں۔ تم جو کچھ دو گی۔ وہ بھی اسی جانب سے ہوگا اور وہ میری تقدیر کا حصّہ ہوگا۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا جو جنگل سے فاقہ زدہ اور سفر کی صعوبت اُٹھائے ہوئے کوفہ کے بازار میں آیا۔ اُس نے اپنے ہاتھ پر ایک چڑیا بٹھائی ہوئی تھی اور کہتا تھا اس چڑیا کے لیے مجھے کچھ دو۔ لوگوں نے کہا: اے شخص! یہ کیا کہتے ہو۔ اُس نے جواب دیا۔ یہ محال ہے کہ میں یہ کہوں کہ خدا کے لیے مجھے کچھ دو۔ دنیا کے لیے ادنیٰ چیز کے لیے ادنیٰ چیز ہی کا وسیلہ لایا جا سکتا ہے۔

نکاح کرنے اور مجرد رہنے کے آداب

حدیث میں ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا اُم کلثوم، ختر

سیدنا فاطمہ الزہراء بنت رسول اللہ ﷺ کا پیام نکاح ان کے والد سیدنا علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ کو دیا اور ان سے درخواست کی۔ حضرت علی مرتضےٰ نے فرمایا۔ وہ تو بہت چھوٹی ہے اور آپ بہت بزرگ ہیں۔ میری نیت یہ ہے کہ میں اسے اپنے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو دوں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر پیغام بھجوایا کہ اے ابوالحسن! بڑی عمر کی عورتیں تو جہان میں بہت ہیں میری مراد حضرت اُم کلثوم سے کسی جنسی لذت کے لیے نہیں بلکہ اثباتِ نسل ہے کیونکہ حضرت رسول اکرم ﷺ سے میں نے سُنا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ موت کے ساتھ ہر حسب و نسب منقطع ہو جاتا ہے مگر میرا حسب ونسب باقی رہتا ہے۔ لہٰذا اس وقت مجھے حسب تو حاصل ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ نسب بھی حاصل ہو جائے تا کہ دونوں میں حضور سید عالم ﷺ کی متابعت میں مضبوط ہو جاؤں۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سیدنا اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت عمر فاروق کے نکاح میں دے دیا۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک بزرگ کی زیارت کے لیے ایک آبادی میں گیا۔ جب میں اس بزرگ کے گھر پہنچا تو ان کے گھر کو نہایت پاکیزہ پایا اور بالکل اولیائے کرام کی عبادت خانہ کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ اس مکان میں دو محرابیں تھیں۔ ایک محراب کے گوشہ میں وہ بزرگ تشریف فرماتھے اور دوسری محراب میں ایک ضعیفہ، پاکیزہ اور روشن چہرے والی خاتون بیٹھی تھی، اور دونوں کثرت عبادت سے بوڑھے ہو چکے تھے۔ میری آمد پر انھوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ میں تین دن ان کے ہاں رہا۔ جب میں نے واپسی کا ارادہ کیا تو میں نے بزرگ سے پوچھا۔ یہ پاکدامن خاتون آپ کی کون ہے۔ فرمایا۔ ایک رشتہ سے یہ میری چچا زادی ہے اور دوسرے رشتہ سے یہ میری اہل خانہ ہے۔ میں نے عرض کیا۔ میں نے تین دنوں کی صحبت میں بڑی غیرت اور بیگانگی دیکھی ہے۔ فرمایا۔ ٹھیک ہے۔ پینسٹھ سال

زر گئے اسی طرح رہتے ہوئے، میں نے عرض کیا، اس کی وجہ بھی بیان فرمائیں؟ فرمایا، ہم بچپن ہی سے ایک دوسرے پر عاشق ہو گئے تھے۔ اس کے والد نے اسے مجھے دینا منظور نہ کیا کیونکہ ہماری محبت کا حال اسے معلوم تھا۔ ایک عرصہ تک ہم محبت کے دُکھ اٹھاتے رہے۔ پھر ایسا وقت آیا کہ اس کا والد فوت ہو گیا۔ میرے والد چونکہ اس کے چچا تھے انھوں نے اسے مجھے دے دیا۔ پہلی رات ہم تنہائی میں ملے تو اس نے مجھے کہا، جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیسی نعمت سے سرفراز کیا ہے۔ ہمیں ایک دوسرے سے ملا دیا ہے اور ہمارے دلوں کو رنج والم سے فارغ کر دیا ہے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ اس نے کہا لہٰذا ہمیں آج کی رات اپنے آپ کو نفس کی خواہشوں سے باز رکھنا چاہیے نہ کہ اپنی مراد کو پاؤں کے نیچے لایا جائے۔ اس نعمت کے شکر میں ہمیں خدا کی عبادت کرنی چاہیے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ دوسری رات بھی یہی کہا۔ تیسری رات میں نے کہا کہ گذشتہ دو راتیں میں نے تمھارے شکر میں عبادت میں گزادی ہیں۔ آج رات تم میرے شکر میں بھی عبادت کرو۔ اس طرح پینسٹھ سال گزر چکے ہیں اور ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا تک نہیں اور نہ ایک دوسرے کو چھوا ہے۔ اور ساری عمر نعمت کے شکر میں گزار دی۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ بچہ جب بڑا ہوا تو اپنی ماں سے کھانے کے لیے جو چیز بھی مانگتا اس کی ماں کہتی۔ خدا سے مانگ، بچہ محراب میں چلا جاتا اور سجدہ کرتا۔ اس کی ماں چھپا کر اس کی خواہش پوری کر دیتی تا کہ بچے کو معلوم نہ ہو کہ ماں نے یہ دیا ہے، رفتہ رفتہ یہ اس کی عادت بن گئی۔ ایک دن بچہ مدرسہ سے آیا تو اس کی ماں موجود نہ تھی۔ عادت کے مطابق سر سجدہ میں رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی خواہش پوری کر دی، ماں جب آئی اور اس نے دیکھا تو اس نے پوچھا بیٹے یہ کہاں سے لی ہے؟ اس نے کہا وہیں سے روزانہ آتی ہے۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے گیارہ سال نکاح کی آفت سے خدا نے محفوظ رکھا پھر اس کی تقدیر سے میں فساد میں مبتلا ہو گیا اور بے دیکھے میرا ظاہر و باطن ایک پری صفت کا اسیر بن گیا۔ ایک سال تک میں ایسا غرق رہا کہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جائے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف و کرم سے عصمت کو میرے ناتواں دل کے استقبال کے لیے بھیجا اور اپنی رحمت سے مجھے آفت سے نجات دلائی۔

حضرت احمد حماد سرخسی رحمۃ اللہ علیہ جو ماوراء النہر میں حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھی تھے، انتہائی برگزیدہ انسان تھے۔ ان سے لوگوں نے دریافت کیا۔ کیا آپ کو کبھی نکاح کی ضرورت پیش آئی؟ فرمایا: نہیں۔ پوچھا: کیسے؟ فرمایا: اس لیے کہ میں اپنے حالات میں یا تو اپنے آپ سے غائب ہوتا ہوں۔ جب میں غائب ہوتا ہوں تو مجھے دونوں جہان کی کوئی چیز یاد نہیں رہتی اور جب حاضر ہوتا ہوں تو اپنے نفس پر ایسا غالب ہوتا ہوں کہ جب ایک روٹی ملے تو سمجھتا ہوں ہزاروں حوریں مل گئی ہیں۔

حضرت احمد نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ ایک دن نیشاپور کے امیروں اور رئیسوں کے ساتھ جو اُن کو سلام کرنے کے لیے آئے تھے، بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کا بیٹا شراب پیتے ہوئے مستانہ وار ساز بجاتا ہوا گانے والیوں کے ساتھ ان کے سامنے سے گزرا۔ جس نے بھی اسے دیکھا پریشان ہوا گیا۔ حضرت احمد نے جب ان لوگوں کو دیکھا تو ان سے دریافت فرمایا۔ تمھارا حال کیوں پریشان ہوا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ یہ لڑکا جس بے باکی سے آپ کے سامنے سے گزرا ہے اس سے ہم پریشان ہو گئے ہیں کہ اس نے آپ کا بھی خوف نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا وہ معذور ہے اس لیے کہ ایک رات ہم نے اپنے اور اپنی بیوی کے کھانے کے لیے ہمسایہ سے کوئی چیز لی تھی جسے ہم دونوں نے اسے کھایا اور اسی رات ہم بستری میں اس بچہ کا حمل ٹھہر گیا۔ پھر ہم پر نیند کا غلبہ ہوا ہم سو گئے۔ صبح کو ہمیں معلوم ہوا کہ اس ہمسائے نے جو چیز ہم کو دی تھی وہ ایک شادی کا

کھانا تھا۔ جب ہم نے جستجو کی تو معلوم ہوا کہ وہ بادشاہ کے ہاں گئے تھے۔

حال اور وقت

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جنگل میں ایک درویش کو دیکھا جو کیکر کے درخت کے نیچے ایک سخت جگہ پر بڑی مشکل سے بیٹھا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ اے بھائی! کس چیز نے تمھیں یہاں بٹھایا ہے۔ یہ جگہ تو بہت مشکل ہے۔ اور تم یہاں بیٹھے ہوئے ہو۔ اس نے کہا "میرا ایک وقت تھا جو اس جگہ ضائع ہوا ہے۔ اب میں اس جگہ اس کے غم میں بیٹھا ہوا ہوں۔ میں نے پوچھا۔ کتنے عرصہ سے یہاں بیٹھے ہو۔ اس نے کہا بارہ سال گذر گئے ہیں۔ اب شیخ کو چاہیے کہ میرے کام میں ہمت کرے تا کہ میں اپنی مراد حاصل کروں اور اپنے وقت کو پاؤں۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ میں وہاں سے چل دیا اور حج کیا۔ اس کے لیے دُعا کی جو قبول ہوئی اور وہ اپنی مراد کو پہنچ گیا۔ جب واپس آیا تو اسے اسی جگہ بیٹھا ہوا پایا۔ میں نے کہا۔ "اے جواں مراد! اب تم نے اپنا وقت پالیا ہے تو پھر اس جگہ سے ہٹ کیوں نہیں جاتے۔ اس نے کہا۔ "اے شیخ! یہ وہ جگہ ہے جہاں مجھے وحشت و پریشانی لاحق ہوئی تھی اور میرا سرمایہ گم ہوا تھا اور اب بھی یہی وہ جگہ ہے جہاں سے مجھے گم شدہ سرمایہ ملا ہے۔ میں نے اس جگہ کو پکڑ لیا ہے۔ مجھے اس جگہ سے محبت ہو گئی ہے۔ کیا یہ جائز ہے کہ میں اس جگہ کو چھوڑ کر کسی اچھی جگہ چلا جاؤں میری تمنا ہے کہ مر کر میری مٹی بھی اسی جگہ مل جائے اور قیامت کے دن جب اٹھایا جاؤں تو میں اسی جگہ سے سر نکالوں یہ میری انس و محبت ہے۔"

حضرت ابوسعید فراز رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابراہیم سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ دریا کے کنارے ایک خدا کے دوست کو دیکھا تو اس سے پوچھا۔ حق کی راہ کس

چیز میں ہے؟ انھوں نے کہا حق کی دو راہیں ہیں، ایک عوام کی دوسرے خواص کی، انھوں نے اس کی تشریح چاہی تو خدا کے دوست نے کہا۔ عوام کی راہ وہ ہے جس پر تم ہو کیونکہ تم کسی علّت کے ساتھ قبول کرتے ہو اور کسی علّت کے سبب چھوڑتے ہو۔ خواص کی راہ یہ ہے کہ وہ نہ معلل کو دیکھتے ہیں نہ علّت کو۔

قہر ولطف

بغداد میں صاحب مرتبہ فقراء میں سے دو درویش تھے۔ ایک صاحب قہر غلبہ تھے، دوسرے صاحب لطف وکرم ہمیشہ دونوں میں نوک جھونک رہتی تھی، ہر ایک اپنے حال کو بہتر ظاہر کرتا تھا۔ ایک کہتا کہ حق تعالیٰ کا لطف وکرم بندہ پر بہت بزرگ شے ہے۔ کیونکہ اس کا ارشاد ہے: "اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ مہربان ہے، دوسرا کہتا، حق تعالیٰ کا قہر وغلبہ بندہ پر بہت زیادہ مکمل شے ہے، کیونکہ اس کا ارشاد ہے وہ اپنے بندوں پر غالب ہے، انکی بحث طول پکڑ گئی۔ ایک دفعہ صاحب لطف وکرم نے مکہ کا قصد کیا۔ وہ جنگل میں ٹھہر گیا لیکن مکہ مکرمہ نہ گیا۔ برسوں تک اس کی خبر کسی کو نہ ہوئی اس دوران ایک شخص مکہ مکرمہ سے بغداد آرہا تھا اس نے اسے سر راہ دیکھا اور اس سے کہا، اے بھائی! جب تم عراق پہنچو تو کرخ میں میرے فلاں دوست کو کہنا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اس مشقت کے باوجود جنگل کو بغداد کے محلّہ کرخ کی مانند اس کے عجائبات کے ساتھ دیکھو تو آجاؤ کیونکہ یہ جنگل میرے لیے حق تعالیٰ نے بغداد کے محلّہ کرخ کی مانند بنا دیا ہے، جب یہ شخص کرخ پہنچا تو اس کے رفیق کو تلاش کر کے اس کا پیغام دیا۔ اس کے جواب میں اُس نے کہا، جب تم وہاں سے لوٹو تو اس درویش سے کہنا کہ اس میں کوئی بزرگی نہیں ہے کہ تم مشقت کے ساتھ ہو اور جنگل کو تمھارے لیے کرخ کی مانند بنا دیا ہے اس لیے کہ تم بارگاہ الٰہی سے بھاگ نہ جاؤ۔ بزرگی تو یہ ہے کہ

بغداد کے محلّہ کرخ کو اس کی نعمتوں کے باوجود مشقت کے ساتھ کسی کیلیئے جنگل بنا دیا ہے اور وہ اس میں خوش وخرم ہے۔

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مُرشد فرماتے ہیں کہ ایک سال جنگل میں اولیاء اللہ کا اجتماع ہوا جس میں مَیں اپنے مرشد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ گیا وہاں ایک گروہ کو دیکھا جو تخت کے نیچے آ رہا تھا اور ایک گروہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ کوئی اڑتا ہوا آ رہا تھا اور کوئی کسی طریقے سے، میرے مُرشد نے کسی کی طرف التفات نہ کیا، اس دوران ایک جوان کو میں نے دیکھا جس کی جوتیاں پھٹی ہوئی تھیں، عصا ٹوٹا ہوا، پاؤں ننگے، سر ننگا، بدن جھلسا ہوا اور جسم کمزور ولاغر تھا۔ جب وہ ظاہر ہوا تو میرے مرشد دوڑ اس کے پاس پہنچے اور اُسے بلند جگہ پر بٹھایا۔ فرماتے ہیں کہ میں حیرت زدہ رہ گیا اور میں نے شیخ سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا، یہ بندہ ایسا ولی ہے جو ولایت کا تابع نہیں بلکہ ولایت اس کے تابع ہے اور کرامتوں کی طرف توجہ نہیں کرتا۔

حضرت خیر النساج رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں یہ خطرہ ظاہر ہوا کہ حضرت جنید دروازہ پر کھڑے ہیں۔ انھوں نے چاہا کہ اس خطرے کو دل سے دور کریں تو ایک اور خطرہ دل مین نمودار ہوا وہ اس کے دور کرنے میں مصروف ہو گئے تو تیسرا خطرہ دل میں پیدا ہو گیا۔ انھوں نے حضرت جنید کو دیکھا کہ دروازہ میں کھڑے فرما رہے ہیں۔" اے خیر النساج! اگر تم اپنے پہلے خطرے کے پیروکار ہو جاتے تو مشائخ رحمہم اللہ کی سیرت پر عمل کرتے تو مجھے اتنی دیر دروازہ پر کھڑے رہنا نہ پڑتا۔ مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ وہ خطرہ جو حضرت خیر النساج کے کے دل میں پہلے نمودار ہوا اس میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نظر آئے۔ جواب میں فرماتے ہیں چونکہ حضرت جنید حضرت خیر کے مرشد تھے اور مرشد اپنے مرید کے تمام احوال سے باخبر ہوتا ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ بخار ہو گیا۔ دعا کی کہ خدا! مجھے صحت عطا

فرما، ان کے دل میں ندا آئی، تم کون ہو کہ میرے مِلک میں رائے دیتے ہو اور اپنا اختیار استعمال کرتے ہو۔ میں اپنی ملک کی تدبیر تم سے بہتر جانتا ہوں۔ تم میرے اختیار کو اختیار نہ کرو اور نہ اپنے اختیار ظاہر کرو۔

سماع

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے یہ آیت پڑھی: ''کافروں کے لیے آگ کا بچھونا اور ان کے اوپر اسی کا بالا و پوش''۔ یہ سُن کر وہ روتے ہوئے گر پڑے۔ راوی کہتا ہے کہ میں سمجھا کہ شاید ان کی روح پرواز کر گئی ہے پھر انھیں میں نے اٹھایا تو فرمانے لگے اس آیت کی ہیبت مجھے بیٹھنے سے روکتی ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے یہ آیت پڑھی۔ ''اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جسے تم کر نہیں سکتے۔'' حضرت جنید نے فرمایا، اے خدا! ہم جو کہتے ہیں تجھ سے کہتے ہیں۔ تیری ہی توفیق سے کرتے ہیں۔ ہمارا اپنا قول و فعل کہاں ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے پڑھا۔ ''جب تم بھول جاؤ تو اپنے رب کو یاد کرو۔'' انھوں نے فرمایا، یاد کرنے کی شرط نسیان میں ہے اور حال یہ ہے کہ سارا عالم اس کی یاد میں مشغول ہے یہ کہہ کر چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو کہنے لگے۔ ''میری عجیب جان ہے۔ کلامِ الٰہی سنتی ہے اور باہر نہیں نکلتی''۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں یہ پڑھ رہا تھا کہ ''اس دن سے ڈرو جس دن تم خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔'' غیب سے آواز آئی آہستہ پڑھ کیونکہ اس آیت ہیبت سے چار جن مر گئے ہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال سے نماز میں اتنا ہی قرآن پڑھا

جس سے نماز جائز ہو جائے اس کے سوا قرآن کو نہ پڑھا اور نہ سُنا۔ لوگوں نے پوچھا، کیوں؟ فرمایا۔ اس ڈر سے کہ وہ مجھ پر حُجت بنے گا۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ایک روز حضرت شیخ ابوالعباس شقانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے وہ اس وقت یہ آیت پڑھ رہے تھے۔ ''اللہ تعالیٰ اس خرید کردہ غلام کی مثال دیتا ہے جو کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا'' یہ آیت پڑھ کر وہ رونے لگے اور چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے میں نے خیال کیا کہ شاید اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں لیکن تھوڑی دیر بعد ہوش میں آ گئے۔ میں نے عرض کیا۔ یا شیخ! کیا حال ہے؟ فرمایا گیارہ سال گزر گئے ہیں۔ میرا درد یہیں تک پہنچا ہے۔ اس سے آگے میں نہیں جا سکتا۔

حضرت ابوالعباس عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا۔ آپ روزانہ کتنا قرآن پڑھتے ہیں؟ فرمایا پہلے تو دن رات میں دو قرآن ختم کرتا تھا۔ اب چودہ سال ہو گئے ہیں صرف سورۂ انفال تک آج پہنچا ہوں۔ مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ حضرت ابوالعباس قصاب قاری رحمتہ اللہ علیہ سے کہا، قرآن پڑھیے انہوں نے قرآن پڑھا ''اے یوسف عزیز مصر! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچی۔ ہم حقیر پونجی لے کر آئے ہیں'' پھر کہا آگے پڑھیے۔ انہوں نے پڑھا ''بھائیوں نے کہا اگر برادر یوسف بنیامین نے چوری کی ہے تو بے شک پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے''۔ پھر کہا۔ آگے پڑھیے۔ چنانچہ جب انہوں نے پڑھا '' آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے''، اس پر انہوں نے کہا'' اے خدا! میں ظلم میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے بڑھ کر ہوں اور تو کرم میں حضرت یوسف علیہ السلام سے بڑھ کر ہے تو میرے ساتھ وہ کرم فرما جیسا حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا؟

ایک صحابی سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں ایسے کمزور

مہاجرین میں سے تھا جنہوں نے اپنی پردہ پوش جگہوں کو ایک دوسرے حصہ بدن سے چھپا رکھا تھا۔ ایک قاری قرآن پڑھ رہا تھا اور ہم سب سن رہے تھے۔ اتنے میں رسول اکرم ﷺ تشریف لائے اور ہمارے پاس کھڑے ہو گئے جب قاری نے حضور کو دیکھا تو وہ خاموش ہو گیا۔ رسول اکرم ﷺ نے ہمیں سلام کیا اور دریافت کیا کہ تم کیا کر رہے ہو۔ ہم نے عرض کیا ایک قاری قرآن پڑھ رہا تھا اور ہم سن رہے تھے۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ وہ ذات باری لائق حمد ہے جس نے میری اُمت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے جس کا حکم مجھے دیا گیا ہے۔ میں بھی ان کے ساتھ کچھ قیام کروں، چنانچہ حضور ہمارے درمیان بیٹھ گئے گویا کہ حضور ہمارے برابر کے فرد ہیں۔ پھر آپ نے دست مبارک کا اشارہ فرمایا۔ اس پر جماعت حلقہ بنا کر بیٹھ گئی اور کوئی نہیں پہچان سکتا تھا کہ ان میں اللہ کا رسول کون ہے۔ حضور نے اپنے آپ کو کمزور مہاجروں کی مانند بنا لیا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اے مہاجروں کے کمزور درویشو! تمھیں پوری پوری کامیابی کی بشارت ہو کہ تم قیامت کے دن مالداروں میں سے آدھے دن پہلے داخل ہو گے جس کی مقدار پانچ سو برس ہو گی۔

اکابر صحابہ میں سے سیدنا زرزادہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نماز میں امامت کیا کرتے تھے۔ انھوں نے ایک آیت پڑھی تو چیخ نکل گئی اور اُسی وقت ان کی روح پرواز کر گئی۔ اکابر تابعین میں سے حضرت ابو جعفر کے پاس حضرت صالح مرّی نے ایک آیت پڑھی تو انھوں نے بےخود ہو کر جان دے دی۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ میں کوفہ کے ایک دیہات میں جا رہا تھا۔ میں نے ایک بزرگ سے کو دیکھا۔ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ ان کے چہرے پر بزرگی کے آثار دیکھ کر رُک گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ نماز سے فارغ ہوئے میں نے ان سے برکت حاصل کرنے کے لیے سلام عرض کیا۔ انھوں نے پوچھا قرآن جانتے ہو؟ میں نے کہا:

ںاں۔انھوں نے کوئی آیت پڑھنے کی ہدایت کی، میں نے جب آیت کی تلاوت کی تو ان کی چیخ نکل گئی اور روح دیدارالٰہی کے استقبال کے لیے چلی گئی۔

حضرت احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جنگل میں ایک جوان کو دیکھا جو سخت چادر اوڑھے کنوئیں کے کنارے پر کھڑا تھا۔اُس نے مجھے کہا، اے احمد! وقت آ گیا ہے میں کچھ سُننا چاہتا ہوں تا کہ جان دے دوں۔تم کوئی آیت سُناؤ فرماتے ہیں کہ خدا کی طرف سے مجھے القا ہوا کہ میں یہ آیت تلاوت کروں۔ ''جنہوں نے کہا۔ ہمارا رب اللہ ہے پھر انھوں نے استقامت کی''، اس جوان نے کہا،''اے احمد! رب کعبہ کی قسم! ابھی ابھی اسی وقت ایک فرشتہ نے بھی یہی آیت پڑھی تھی۔''اتنا کہہ کراس کی روح پرواز کرگئی۔

خوش الحانی

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں عرب کے ایک قبیلہ میں گیا اور ایک امیر کے مسافر خانہ میں اُترا وہاں میں نے دیکھا کہ ایک حبشی کو زنجیروں سے باندھ کر خیمہ کے دروازہ پر دھوپ میں ڈالا ہوا تھا۔میرے دل میں ترس آیا،اور میں نے ارادہ کرلیا کہ اس کی سفارش امیر سے کروں، جب کھانے کا وقت آیا تو میں نے کھانے سے انکار کر دیا۔یہ بات عربوں کے لیے انتہائی تکلیف دہ ہوتی ہے کہ کوئی کھانے سے انکار کردے۔امیر نے مجھ سے کہا۔اے جواں مرد! کس وجہ سے تم نے میرے ہاں کھانے سے انکار کر دیا ہے۔میں نے جواب دیا۔تمھارے اس کرم نے جو مجھے تمھارے ساتھ ہے۔اس نے کہا،میری ہر چیز کے مالک تم ہو،اب تم میرا کھانا کھالو۔میں نے کہا، مجھے تمھارے مال کی حاجت نہیں، البتہ اس غلام کو میری خاطر رہا کردو۔امیر نے کہا۔مجھ سے پہلے اس کا جرم سن لو۔اس کے بعد تم اس کی زنجیر

کھول دینا، اس لیے کہ جب تم میرے مہمان ہو۔ میری ہر چیز تمھاری ملکیت ہے، میں نے کہا آخر اس کا جرم کیا ہے، امیر نے کہا، یہ غلام بہترین گانے والا ہے اور خوب حدی پڑھتا ہے۔ میں نے اسے چند اونٹوں کے ساتھ اپنے کھیتوں میں بھیجا کہ وہ میرے لیے غلہ لائے۔ اس نے ہر اونٹ پر دو دو اونٹوں کے برابر غلہ لا دلیا اور حدی کہتا اور گاتا ہوا اونٹوں کو لے آیا۔ راستہ میں اس کے گانے سے اونٹ مست ہو کر دوڑتے رہے اور چلتے رہے، جب انھیں یہاں لایا اور ان سے بوجھ اتارا گیا تو سب کے سب اونٹ مر گئے۔ اونٹوں پر جتنا بھار میں نے کہا تھا، اس سے دُگنا ان پر لاد دیا گیا تھا۔ حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ مجھے سخت تعجب ہوا اور میں نے امیر سے کہا ''تمھاری شرافت سچ ہی کہلواتی ہوگی، لیکن اس کے لیے مجھے کوئی دلیل چاہیے'' ہم یہ باتیں کر رہے تھے کہ جنگل سے چرواہے اونٹوں کو کنوئیں کے کنارے لائے۔ امیر نے کہا، کتنے دنوں سے اونٹوں نے پانی نہیں پیا؟ انھوں نے بتایا کہ تین دن سے۔ پھر اس نے حبشی غلام کو حکم دیا کہ اونٹ کی طبیعت کے موافق حدی گائے۔ اس غلام نے حدی گانا شروع کیا اور اونٹ اس کی آواز سے ایسے مست ہوئے کہ پانی پینا بھول گئے اور بھاگ کر جنگل کی طرف نکل گئے۔ امیر نے غلام کو چھوڑ دیا۔

ملک ایران کا بادشاہ مر گیا۔ اس کا ایک دو سال کا بیٹا تھا۔ جسے وزیروں نے جانشین بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ وزیر بزرجمہر سے کہا گیا تو اس نے اس فیصلے کی حمایت کی لیکن شرط یہ لگائی کہ پہلے بچے کو آزمانا چاہیے کہ اس کے حواس ٹھیک ہیں کہ نہیں، تا کہ اس پر انحصار کیا جا سکے۔ وزیروں نے کہا اسے کیسے آزمایا جائے؟ وزیر بزرجمہر نے کہا، گانے والوں کو بلایا جائے اور وہ اس کے سرہانے کھڑے ہو کر گائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ گانے کے دوران بچہ مسحور ہو گیا۔ ہاتھ پاؤں مارنے چھوڑ دیے۔ بزرجمہر نے کہا، یہ بچہ بادشاہت کا حقدار ہے، ہم اس پر انحصار کر سکتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے پاس کچھ لڑکیاں گا رہی تھیں اتنے میں حضرت عمر نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ لڑکیوں نے جب ان کی آہٹ سُنی اور گانا بند کر دیا اور بھاگ اُٹھیں، جب عمر آئے تو حضور مسکرانے لگے۔ حضرت عمر نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مسکرانے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا، کچھ گانے والی لڑکیاں تمھاری آہٹ سن کر بھاگ نکلیں۔ اس پر حضرت عمر نے کہا۔ میں ہرگز نہیں جاؤں گا، جب تک حضور نے جو کچھ سنا ہے میں اسے سُن نہ لوں، پھر حضور نے لڑکیوں کو بلایا، وہ گانے لگیں اور حضور سماعت فرما رہے تھے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی آواز میں لحن اور حلق میں ساز پیدا فرمایا اور آپ کی آواز تمام پہاڑوں پر گونج جاتی۔ جنگل اور پہاڑ کے تمام پرندے اور جانور آپ کی آواز سن کر آجاتے، رواں پانی ٹھہر جاتا پرندے ہوا میں اڑتے اڑتے گر جاتے۔ یہ مخلوق جنگل میں ایک مہینہ تک کچھ نہ کھاتی نہ بچے روتے، نہ دودھ مانگتے اور جب بھی لوگ آپ کی مجلسِ سماع سے اُٹھتے، ان میں سے اکثر آپ کے لحن وصورت اور کلام سے مردہ ہوتے۔ ایک مرتبہ سات خوبصورت لڑکیاں مردہ پائی گئیں اور دس ہزار بوڑھے مر گئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آواز سننے والے اور طبع کی پیروی کرنے والے کو اہل حق اور حقیقت کے سُننے والے کو جدا کر دے تو شیطان کے دل میں شدید گھبراہٹ پیدا ہوئی اور اس کے دل میں انسانوں کو ورغلانے کا ارادہ پیدا ہوا۔ اس نے اپنے مکر وفریب کے اظہار کے لیے خدا سے اجازت مانگی۔ خدا نے اجازت دے دی۔ شیطان نے بانسری اور طنبور بنایا اور حضرت داؤد علیہ السلام کی مجلسِ سماع کے برابر میں اس نے بھی مجلس لگائی۔ لحن داؤدی سننے والوں کے دو گروہ ہو گئے، ایک بدبختوں کا اور دوسرا نیک بختوں کا۔ بد بخت گروہ شیطان کے ساز کی طرف مائل ہو گیا اور نیک بخت حضرت دواؤد علیہ السلام لی آواز

کے ساتھ برقرار رہا۔

حضرت داتا صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے برصغیر میں ایک دفعہ ایک زہر قاتل کیڑا دیکھا جس کی زندگی اسی زہر سے وابستہ تھی کیونکہ وہ خود سراپا زہر تھا میں ترکستان کے ایک شہر میں اسلامی سرحد کے قریب تھا، ایک پہاڑ میں آگ دیکھی۔ پہاڑ جل رہا تھا اور پتھروں سے پگھلا ہوا نوشادر بہہ رہا تھا۔ اس آگ میں چوہے تھے انھیں آگ سے باہر نکالتے تو وہ مرجاتے تھے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید سماع میں بہت مضطرب ہوجاتا تھا اور دوسرے اس کی طرف متوجہ ہوجاتے تھے، انھوں نے مرشد سے شکایت کی کہ اُن کی توجہ تقسیم ہوجاتی ہے اور وہ یکسوئی سے محروم ہوجاتے ہیں۔ حضرت جنید نے اس مرید سے فرمایا کہ اب اگر تم سماع میں مضطرب ہوئے تو تمھیں اپنی مجلس سے نکال دوں گا۔ حضرت ابومحمد جریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں سماع میں اس درویش کو دیکھ رہا تھا وہ ہونٹوں کو بند کیے خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اس کے جسم کے ہر رونگٹے سے چشمہ جاری ہوگیا اور وہ بے ہوش ہوگیا۔ وہ پورا ایک دن بیہوش رہا، اب میں نہیں جانتا کہ وہ درویش سماع میں زیادہ صحیح تھا یا اس کے دل میں مرشد کا زیادہ احترام تھا۔ مشائخ کرام بیان کرتے ہیں کہ سماع میں ایک شخص نے چیخ ماری۔ اس کے مرشد نے فرمایا۔ خاموش رہو۔ وہ شخص زانو میں سر دے کر بیٹھ گیا، دیکھا تو وہ مردہ تھا۔ حضرت شیخ ابو مسلم فارس بن غالب الفارسی سے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے سُنا کہ سماع میں ایک درویش مضطرب تھا کسی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا، بیٹھ جا! وہ بیٹھتے ہی دنیا سے کوچ کر گیا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک درویش نے سماع میں جان دے دی۔ حضرت دراج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ابن

القرظی کے ساتھ دجلہ کے کنارے جا رہا تھا۔ بصرہ اور ایمہ کے درمیان ایک محل میں ہم اترے، وہاں ہم نے ایک نیک مرد کو دیکھا، اس کے آگے ایک باندی گا رہی تھی اور یہ شعر کہہ رہی تھی، تیرے ساتھ میری محبت اللہ کے لیے ہے اور تو ہر روز اس کے سوا بدلتا رہتا ہے اور ڈھب فریفتہ ہوتا ہے کیوں کہ تم خوبصورت ہو۔

اسی وقت محل کے نیچے میری نظر گئی، وہاں ایک جوان کھڑا تھا جو چھاگل لیے ہوئے گدڑی اوڑھے کھڑا تھا۔ اس نے کہا ''اے کنیز! اس شعر کو دوبارہ پڑھو کیونکہ میرا دم گھٹ رہا ہے۔ شاید اس کے سننے سے میری روح نکل جائے، کنیز نے شعر دوبارہ پڑھا اور اسے بار بار دہراتی رہی، اس جوان نے ایک چیخ ماری اور جان دے دی۔ محل کے مالک نے کنیز سے کہا۔ تو آزاد ہے اور خود نیچے آیا۔ جوان کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گیا۔ بصرہ کے لوگوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ پھر محل کے مالک نے اعلان کیا کہ اے بصرہ کے لوگو! میں فلاں ہوں اور فلاں کا بیٹا ہوں۔ میں نے اپنی تمام جائیداد خدا کی راہ میں دی۔ غلام اور کنیزیں آزاد کر دیں۔ یہ کہہ کر وہ شخص بصرہ چلا گیا اور پھر کسی کو اس کی کوئی خبر نہ ملی۔

اکابر مشائخ میں سے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک درویش کے ساتھ بغداد جا رہا تھا۔ ایک گانے والے کی آواز آئی وہ گا رہا تھا۔ جب سماع حق ہو تو تمناؤں سے بہتر ہے ورنہ ہم سماع سے عیش اٹھاتے ہیں اور صبح و شام یونہی گزارتے ہیں۔ میرے ساتھی درویش نے چیخ ماری اور دنیا سے رخصت ہو گیا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر میں جا رہا تھا۔ ایک پہاڑی پر راستے میں میرا دل اچانک مسرت سے معمور ہو گیا۔ اور میں نے یہ شعر پڑھا۔ لوگوں کے نزدیک صحیح ہو گیا ہوں کہ میں عاشق ہوں اور وہ یہ نہیں جانتے کہ میں کس پر عاشق ہوں، انسان کے وجود میں کوئی چیز اچھی نہیں مگر اس میں

سب سے اچھی چیز خوش الحانی ہے۔ حضرت ابراہیم خواص نے مجھے فرمایا کہ میں یہ شعر دوبارہ پڑھوں۔ میں نے شعر پڑھا تو انھوں نے عالم وجد میں زمین پر چند پیر مارے، جب میں نے ان کے قدموں پر نظر ڈالی تو پتھر میں ان کے قدم اس طرح دھنس رہے تھے۔ جیسے موم میں دھنستے ہیں پھر وہ بے ہوش کر گر پڑے۔ تھوڑی دیر بعد ہوش میں آ کر کہنے لگے کہ میں جنت میں تھا۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے آذر بائیجان کے پہاڑوں میں ایک درویش کو دیکھا جو گہری فکر میں ڈوبا ہوا تھا اور یہ شعر پڑھ کر آہ و فریاد کر رہا تھا خدا کی قسم سورج نہ طلوع ہوا نہ غروب ہوا، لیکن میرے دل میں تیری ہی لگن رہی، میں کسی کے پاس ان کی باتیں سننے کے لیے نہیں بیٹھا، لیکن میں ان سے تمھاری ہی باتیں کرتا رہا۔ میں نے دُکھ اور سُکھ میں تمھیں کبھی اس طرح نہیں پکارا لیکن میری ہر سانس میں تمھاری محبت شامل رہی میں نے پیاس میں پانی پینے کا ارادہ نہ کیا لیکن ہر پیالہ میں تیرا ہی خیال دیکھتا رہا۔ اگر میں تم تک پہنچنے کی قدرت رکھتا تو پلکوں کے سہارے چل کر تیری زیارت کرتا'' وہ درویش ان اشعار کے تاثر میں ایسا گم ہوا کہ عرصہ تک پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھا رہا اور بیٹھے بیٹھے دنیا سے کوچ کر گیا۔

حضرت ابوالحارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں سماع کا بہت شوقین تھا ایک رات میرے حجرے میں ایک شخص آیا، اس نے مجھ سے کہا۔ بارگاہِ حق کے طالب ایک جگہ جمع ہوئے ہیں اور آپ کے دیدار کے مشتاق ہیں۔ اگر مہربانی فرما کر تشریف لائیں تو کرم ہوگا۔ میں اُن کے ساتھ اس جگہ آیا، جہاں ایک گروہ حلقہ کیے ہوئے بیٹھا تھا۔ ان کا بڑا ان کے درمیان تھا۔ سب نے میری عزت و توقیر کی اور ممتاز جگہ پر بٹھایا۔ بڑے نے کہا اگر اجازت ہو تو کچھ شعر سناؤں۔ میں نے اجازت دی، دو شخص اٹھے اور خوش الحانی کے ساتھ ایسے شعر گانے لگے جو شاعروں نے جدائی کی حالت میں

لگے ہیں، وہ سب وجد میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ نعرے لگائے اور لطیف اشارے بھی کیے۔ میں ان کے حال پر حیرت زدہ ہو گیا اور خوش بھی ہوا۔ صبح کے وقت میں جانے لگا تو اُس بڑے نے کہا، آپ نے پوچھا نہیں کہ میں کون ہوں اور یہ گروہ کن لوگوں کا ہے؟ میں نے کہا۔ آپ کی عظمت کے اثر کی وجہ سے پوچھنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اس بڑے نے کہا، میں عزازیل ہوں، جسے آپ ابلیس کہتے ہیں۔ یہ سب کے سب میرے بیٹے ہیں۔ اس جگہ بیٹھنے اور گانا سننے سے مجھے دو فائدے ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ میں خود جدائی کی مصیبت میں ہوں اور نعمت کے دنوں کو یاد کرتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ متقی لوگوں کو راہ سے بھٹکانے اور غلط راہ پر لگانے کا عمل بھی جاری رہتا ہے، حضرت ابوالحارث فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میرے دل کے سماع کا شوق مٹ گیا۔

ایک دن حضرت جنید، حضرت محمد بن سیرین اور حضرت ابوالعباس بن عطا رحمۃ اللہ علیہم ایک جگہ جمع تھے جہاں قوالوں نے چند اشعار سنائے۔ دونوں وجد کرنے لگے اور حضرت جنید جامد و ساکت رہے۔ دونوں نے حضرت جنید سے کہا، اے شیخ تمھارے نصیب میں اس سماع سے کچھ حصہ نہیں۔ حضرت جنید نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول پڑھا: ''تم ان کو جامد گویا ٹھہرا ہوا گمان کرتے ہو، حالانکہ وہ گزرنے والے بادلوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔''

☆......☆......☆

زاویہ پبلشرز

دربار مارکیٹ ۰ لاہور

Voice: 042-7248657 Mobile: 0300-9467047

Email : zaviapublishers@yahoo.com